داہنی طرف کا صلیبی نشان علامت ہے اس امر کی کہ آپ کا چندہ اگست میں ختم ہو گیا اور ستمبر کا پرچہ نو روپیہ ۵۰ پیسے میں وی پی روانہ ہوگا۔

نگار

اڈیٹر: نیاز فتحپوری

جلد ۷۶ | فہرست مضامین اگست ۱۹۵۹ء | شمارہ ۲

ملاحظات

احمدی جماعت

اب سے تقریباً ۶۰ سال پہلے کی بات ہے جب مناظرہ کی ایک کتاب "سرمۂ چشم آریہ" میری نگاہ سے گزری اور یہ تھا میرا اولین غائبانہ تعارف، اس کتاب کے مصنف جناب مرزا غلام احمد صاحب دبانی جماعت احمدیہ سے ۔۔۔ میرے والد کو اس فن سے خاص دلچسپی تھی اور یہ کتاب انھیں کے اشارہ سے میں نے پڑھی تھی ۔۔۔ یہ زمانہ میری طالب علمی کا تھا اور بعض معقولی اساتذہ کے زیر اثر مذہب کا مجادلانہ ذوق میرے اندر بھی نشوونما پا رہا تھا، اس لئے یہ کتاب مجھے بہت پسند آئی اور بار بار میں نے اس کا مطالعہ کیا ۔۔ لیکن یہ مطالعہ صرف کتاب ہی تک محدود رہا اور خود مرزا صاحب کی شخصیت یا ان کی مذہبی تبلیغ و اصلاح پر غور کرنے کا موقع مجھے نہ مل سکا، کیونکہ اس کی اہلیت و فرصت دونوں مجھے حاصل نہ تھیں ۔۔۔ اول تو میں بہت کمسن تھا، دوسرے درسِ نظامی کی "قال اقول" اور اس کی روایت پرستانہ گرفت سے کہاں چھٹکارا تھا کہ میں آزادی کے ساتھ کسی مسئلہ پر غور کر سکتا ۔۔ تاہم یہ کتاب مرزا صاحب کی وسعتِ مطالعہ اور قوتِ استدلال کا بڑا گہرا اثر میرے ذہن و فکر پر چھوڑ گئی اور عرصہ تک میں اس سے متاثر رہا ۔۔ مجھے نہیں معلوم کہ احمدی تحریک کا آغاز اس وقت تک ہو چکا تھا یا نہیں اور اگر ہو چکا تھا تو اس کے مقاصد و دعاوی کیا تھے ۔۔ لیکن اس کے بعد ضرور کوئی نہ کوئی آواز اس جماعت کے متعلق میرے کانوں میں پڑ جاتی تھی اور وہ آواز یکسر مخالفانہ ہوتی تھی۔

زمانہ گزرتا گیا اور ختم تعلیم کے بعد بھی عرصہ تک میں احمدی تحریک سے بے خبر رہا، لیکن اس دوران میں بعض ایسی کتابیں ضرور میری نگاہ سے گزرتی رہیں جو اس تحریک کی مخالفت میں شائع ہوئیں اور یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ میں ان سے متاثر بھی ہوا، لیکن یہ تاثر زیادہ تر سلبی قسم کا تھا، ایجابی نہ تھا، کیونکہ جو کچھ میں نے سنا وہ مخالفین کی زبان سے سُنا ۔ خود اس جماعت کے لٹریچر کی طرف سے میں

بالکل خالی الذہن تھا۔

ان کتابوں نے بعض عجیب وغریب باتیں میرے ذہن نشین کرا دی تھیں، مثلاً یہ کہ یہ جماعت اپنے سوا کسی کو مسلمان نہیں سمجھتی ان کی مسجدیں اور نمازیں جمہور سے علٰحدہ و مختلف ہیں، وہ غیر احمدی جماعتوں سے رشتۂ مصاہرت بھی قایم نہیں کرتے، نیز یہ کہ مرزا صاحب ختم نبوت کے قایل نہ تھے، اپنے آپ کو مثیل مسیح یا مہدی موعود کہتے تھے، وحی والہام کا مہبط بھی قرار دیتے تھے اور برطانوی حکومت کی حمایت حاصل کرنا ان کی تحریک کا حقیقی مقصد تھا۔

اس میں شک نہیں ان میں سے بعض باتیں مجھے پسند نہیں آئیں اور میں اس تحریک کو بہ نظر استخفاف دیکھتا رہا، لیکن جب اس کے بعد میں نے دائرۂ تقلید و روایات سے ہٹ کر غایتِ مذاہب کا مطالعہ شروع کیا اور انھیں علماء اسلام کے افعال و کردار کو سامنے رکھا جو اس تحریک کے سخت دشمن تھے تو میں اس نتیجہ پر پہونچا کہ اگر احمدی جماعت گمراہ ہے تو غیر احمدی جماعتیں اور ان کے اکثر علماء (خواہ وہ سُنّی ہوں یا شیعہ، مقلد ہوں یا غیر مقلد، اہلِ قرآن ہوں یا اہلِ حدیث) کہیں زیادہ گمراہ ہیں کیونکہ رسول اللہ کو خاتم النبیینؐ ماننے کے بعد بھی وہ اسوۂ نبوی کا اتنا احترام نہیں کرتے جتنا احمدی جماعت باوجود انکار ختم نبوت کے (حالانکہ یہ الزام صحیح نہیں) کرتی ہے۔

اگر اسلام کی صحیح روح محض بلندیِ اخلاق وانسانیت پرستی ہے جس کا تعلق کیسر عملی زندگی سے ہے تو کوئی وجہ نہیں کہ مسلمانوں کی ایک بے عمل جماعت کو تو ہم سچا مسلمان سمجھیں اور دوسری باعمل جماعت کو کافر و غیر مسلم قرار دیں، محض اس لئے کہ اس کا بانی و مؤسس کچھ ایسی باتیں کہتا ہے جو ناقابل قبول معلوم ہوتی ہیں۔

اس میں شک نہیں کہ دُنیا کا کوئی مذہب ایسا نہیں جو چند مخصوص شعائر و معتقدات نہ رکھتا ہو لیکن حقیقی مقصود محض اصلاح اخلاق ہے اور عبادات و معتقدات صرف ذریعہ ہیں تمدن و معاشرہ کی تنظیم اور اخوت وانسانیت کی ترویج واشاعت کا۔

پھر اس حقیقت کے پیش نظر آپ مُسلم جمہور اور ان کے علماء کے حالات و کردار کا مطالعہ کریں گے تو صورت حال بالکل "واژگوں" نظر آئے گی، کیونکہ ان کے نزدیک اسلام کی حقیقت صرف اتنی ہے کہ چند ما بعد الطبیعیاتی عقاید کو تسلیم کر کے رسمی عبادت کر لی جائے اور ہیئتِ اجتماعی کے مسایل خیر و فلاح کو خدا پر چھوڑ دیا جائے، حالانکہ خدا نے یہ چیز خود انسان پر چھوڑ دی تھی۔

(لیس للانسان الا ما سعیٰ)

اس سلسلہ میں جب میں نے مسلمانوں کی دوسری جماعتوں کا مطالعہ کیا تو عملی زندگی اور اصلاحی جدوجہد کے لحاظ سے کئی جماعتیں سامنے آئیں — بوہرہ — میمن — خوجہ — بہائی اور احمدی — ان میں سے اول الذکر تین جماعتوں کو میں نے نظر انداز کر دیا کیونکہ وہ ایک مخصوص دائرہ کے اندر محدود ہیں جس میں کوئی غیر شخص داخل نہیں ہو سکتا۔ بہائیوں کا دائرۂ عمل بے شک زیادہ وسیع ہے اور عقاید سے قطع نظر اخلاقی حیثیت سے اس کی وسعتِ نظر مجھے پسند آئی، لیکن چونکہ یہ عجمی تحریک ہے اور سرزمین ہند سے اس کا کوئی تعلق نہیں اس لئے اس کی کامیابی یہاں مجھے بہت مستبعد نظر آئی — اب رہ گئی تھی صرف احمدی جماعت سو بے اختیار میرا جی چاہا کہ ان کی زندگی کا قریب تر مطالعہ کرنے کی غرض سے خود قادیان جاؤں لیکن افسوس ہے کہ یہ ارادہ فی الحال پورا نہ ہو سکا (ممکن ہے کبھی پورا ہو جائے) اور ان کا لٹریچر فراہم کر کے اس کا مطالعہ شروع کیا۔

پھر میں تو یہ نہیں کہہ سکتا کہ از اول تا آخر میں نے اس کا سارا لٹریچر پڑھ لیا ہے، لیکن جتنا کچھ میسر آیا وہ بھی نتیجہ تک پہونچنے اور صحیح رائے قایم کرنے کے لئے کافی تھا۔

اس سلسلہ میں سب سے پہلے ان کے معتقدات میرے سامنے آئے اور ان میں کوئی بات مجھے ایسی نظر نہ آئی جو جمہور مسلم کے معتقدات کے منافی ہو۔ یعنی مسلمان ہونے کی جو شرطیں دوسری مسلمان جماعتوں میں ضروری قرار دی جاتی ہیں وہی ان کے یہاں بھی ہیں اور

بالکل خالی الذہن تھا۔

ان کتابوں نے بعض عجیب وغریب باتیں میرے ذہن نشین کرادی تھیں، مثلاً یہ کہ یہ جماعت اپنے سوا کسی کو مسلمان نہیں سمجھتی ان کی مسجدیں اور نمازیں جمہور سے علٰحدہ و مختلف ہیں، وہ غیر احمدی جماعتوں سے رشتۂ مصاہرت بھی قایم نہیں کرتے، نیز یہ کہ مرزا صاحب ختم نبوت کے قایل نہ تھے، اپنے آپ کو مثیل مسیح یا مہدی موعود کہتے تھے، وحی والہام کا مہبط بھی قرار دیتے تھے اور برطانوی حکومت کی حمایت حاصل کرنا ان کی تحریک کا حقیقی مقصد تھا۔

اس میں شک نہیں ان میں سے بعض باتیں مجھے پسند نہیں آئیں اور میں اس تحریک کو بہ نظر استخفاف دیکھتا رہا، لیکن جب اس کے بعد میں نے دائرۂ تقلید وروایات سے ہٹ کر غایتِ مذاہب کا مطالعہ شروع کیا اور انھیں علماء اسلام کے افعال و کردار کو سامنے رکھا جو اس تحریک کے سخت دشمن تھے تو میں اس نتیجہ پر پہونچا کہ اگر احمدی جماعت گمراہ ہے تو غیر احمدی جماعتیں اور ان کے اکثر علماء، (خواہ وہ سنّی ہوں یا شیعہ، مقلد ہوں یا غیر مقلد، اہلِ قرآن ہوں یا اہل حدیث) کہیں زیادہ گمراہ ہیں کیونکہ رسول اللہ کو خاتم النبیّین ماننے کے بعد بھی وہ اسوۂ نبوی کا اتنا احترام نہیں کرتے جتنا احمدی جماعت باوجود انکار ختم نبوت کے (حالانکہ یہ الزام صحیح نہیں) کرتی ہے۔

اگر اسلام کی صحیح روح محض بلندیِ اخلاق وانسانیت پرستی ہے جس کا تعلق یکسر عملی زندگی سے ہے تو کوئی وجہ نہیں کہ مسلمانوں کی ایک بے عمل جماعت کو تو ہم سچّا مسلمان سمجھیں اور دوسری باعمل جماعت کو کافر و غیر مسلم قرار دیں، محض اس لئے کہ اس کا بانی و مؤسس کچھ ایسی باتیں کہتا ہے جو ناقابل قبول معلوم ہوتی ہیں۔

اس میں شک نہیں کہ دُنیا کا کوئی مذہب ایسا نہیں جو چند مخصوص شعائر و معتقدات نہ رکھتا ہو لیکن حقیقی مقصود محض اصلاح اخلاق ہے اور عبادات و معتقدات صرف ذریعہ ہیں تمدن و معاشرہ کی تنظیم اور اخوت وانسانیت کی ترویج واشاعت کا۔

پھر اس حقیقت کے پیشِ نظر آپ مُسلم جمہور اور ان کے علماء کے حالات وکردار کا مطالعہ کریں گے تو صورت حال بالکل "واژگوں" نظر آئے گی، کیونکہ ان کے نزدیک اسلام کی حقیقت صرف اتنی ہے کہ چند ما بعد الطبیعیاتی عقاید کو تسلیم کرکے رسمی عبادت کرلی جائے اور ہیئتِ اجتماعی کے مسایل خیر وفلاح کو خدا پر چھوڑ دیا جائے، حالانکہ خدا نے یہ چیز خود انسان پر چھوڑ دی تھی۔

(لیس للانسان الا ما سعیٰ)

اس سلسلہ میں جب میں نے مسلمانوں کی دوسری جماعتوں کا مطالعہ کیا تو عملی زندگی اور اصلاحی جدوجہد کے لحاظ سے کئی جماعتیں سامنے آئیں — بوہرہ - میمن - خوجہ - بہائی اور احمدی — ان میں سے اول الذکر تین جماعتوں کو میں نے نظر انداز کردیا کیونکہ وہ ایک مخصوص دائرہ کے اندر محدود ہیں جس میں کوئی غیر شخص داخل نہیں ہوسکتا۔ بہائیوں کا دائرۂ عمل بے شک زیادہ وسیع ہے اور عقاید سے قطع نظر اخلاقی حیثیت سے اس کی وسعتِ نظر مجھے پسند آئی، لیکن چونکہ یہ عجمی تحریک ہے اور سرزمینِ ہند سے اس کا کوئی تعلق نہیں اس لئے اس کی کامیابی یہاں مجھے بہت مستبعد نظر آئی — اب رہ گئی تھی صرف احمدی جماعت سو بے اختیار میرا جی چاہا کہ ان کی زندگی کا قریب تر مطالعہ کرنے کی غرض سے خود قادیان جاؤں لیکن افسوس ہے کہ یہ ارادہ فی الحال پورا نہ ہوسکا (ممکن ہے کبھی پورا ہوجائے) اور ان کا لٹریچر فراہم کرکے اس کا مطالعہ شروع کیا۔

پھر میں تو یہ نہیں کہہ سکتا کہ از اول تا آخر میں نے اس کا سارا لٹریچر پڑھ لیا ہے، لیکن جتنا کچھ میسر آیا وہ بھی نتیجہ تک پہونچنے اور صحیح رائے قایم کرنے کے لئے کافی تھا۔

اس سلسلہ میں سب سے پہلے ان کے معتقدات میرے سامنے آئے اور ان میں کوئی بات مجھے ایسی نظر نہ آئی جو جمہور مسلم کے معتقدات کے منافی ہو۔ یعنی مسلمان ہونے کی جو شرطیں دوسری مسلمان جماعتوں میں ضروری قرار دی جاتی ہیں وہی ان کے یہاں بھی ہیں اور

ان کے اس عقیدہ کو نظر انداز کر دیا جائے کہ مرزا غلام احمد مثیل مسیح یا مہدی موعود تھے تو تمام عقاید و شعائر میں یکساں ہیں۔

میں نے ان کی تفاسیر دیکھیں، ان کا استناد بالاحادیث دیکھا، ان کی کتب تاریخ و سیر کا مطالعہ کیا لیکن ان میں کوئی بات ایسی نظر نہیں آئی جو مسلمہ جمہور کے خلاف ہو، یہاں تک کہ انکار ختم نبوت کا الزام بھی مجھے بالکل غلط نظر آیا۔

رہا دعوائے مہدویت، سو اس سے انکار کی بھی کوئی وجہ نظر نہیں آئی، جبکہ خود کلام مجید سے ہر زمانہ اور ہر قوم میں کسی نہ کسی ہادی و مصلح کا پیدا ہونا ثابت ہے اور میں یقین کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ مرزا صاحب جھوٹے انسان نہیں تھے، وہ واقعی اپنے آپ کو مہدی موعود سمجھتے تھے اور یقیناً انھوں نے یہ دعویٰ ایسے زمانہ میں کیا جب قوم کی اصلاح و تنظیم کے لئے ایک ہادی و مرشد کی سخت ضرورت تھی۔

علاوہ اس کے دوسرا معیار جس سے ہم کسی کی صداقت کو جان سکتے ہیں، 'نتیجۂ عمل ہے'، سو اس باب میں احمدی جماعت کی کامیابیاں اس درجہ واضح و روشن ہیں کہ اس سے ان کے مخالفین بھی انکار کی جرأت نہیں کر سکتے — اس وقت دُنیا کا کوئی گوشہ ایسا نہیں جہاں انکی تبلیغی جماعتیں اپنے کام میں مصروف نہ ہوں اور انھوں نے خاص عزت و وقار نہ حاصل کر لیا ہو، پھر کیا آپ سمجھتے ہیں کہ یہ کامیابیاں بغیر انتہائی خلوص و صداقت کے آسانی سے حاصل ہو سکتی تھیں۔ کیا یہ جذبۂ خلوص و صداقت کسی جماعت میں پیدا ہو سکتا ہے اگر اسے اپنے ہادی و مرشد کی صداقت پر یقین نہ ہو اور کیا وہ ہادی و مرشد اتنی مخلص جماعت پیدا کر سکتا تھا اگر وہ خود اپنی جگہ صادق و مخلص نہ ہوتا۔

بہر حال اس سے انکار ممکن نہیں کہ مرزا صاحب بڑے مخلص انسان تھے اور یہ محض ان کے خلوص کا نتیجہ ہے کہ مسلمانوں کی 'بے عمل جماعت' میں عملی زندگی کا احساس پیدا ہوا اور ایک مستقل حقیقت بن گیا۔

دمید دانہ و بالید و آشیانہ گہ شد

مسلمان کیا کریں — یا — حکومت کیا کرے

اس دوران میں بھوپال اور مبارکپور وغیرہ کے فرقہ وارانہ فسادات کے متعلق جو غیر جانبدارانہ بیانات خود ہندوؤں کے شایع ہوئے ہیں ان سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان فسادات کا باعث زیادہ تر مقامی حکام کی غفلت و نااہلی تھی یا بیجا طرفداری — یعنی اگر وہ اپنے فرائض پوری دیانت کے ساتھ انجام دیتے، تو نہ فساد میں شدت پیدا ہوتی اور نہ مسلمانوں کو ان کے خلاف فرقہ وارانہ طرفداری کی شکایت کا موقع ملتا۔

اس لئے اس سلسلہ میں بعض اخبارات کا یہ سوال اُٹھانا کہ "مسلمان کیا کریں" مجھے بہت عجیب و غریب نظر آیا۔ در اصل سوال یہ ہونا چاہئے کہ:- "ان صورتوں میں حکومت کو کیا کرنا چاہئے"۔ مسلمانوں کے کچھ کرنے یا نہ کرنے کا اس سے کوئی تعلق ہی نہیں

قومی آواز نے اس سوال کا تجزیہ کرکے اس کے مختلف پہلوؤں پر جس انداز سے بحث کی ہے، اس کی معقولیت سے انکار نہیں لیکن ان تازہ فسادات کی نوعیت کے پیش نظر بے محل ضرور ہے۔

حیات اللہ صاحب نے جو کچھ لکھا ہے وہ اصولی حیثیت سے اپنی جگہ یقیناً صحیح ہے، لیکن اس کی حیثیت زیادہ تر منفعلانہ و منفیانہ ہے، اقدامی و ایجابی نہیں۔ وہ ایک اچھا واعظانہ مقالہ ضرور ہے جس میں اعمال نیک کے اجر کا ذکر تو بڑی وضاحت کے ساتھ کیا گیا ہے، لیکن ان اعمال خیر کے موانع سے سربر ہونے کی کوئی تدبیر اس میں نہیں بتائی گئی۔

یہ حقیقت یقیناً اپنی جگہ مسلّم ہے کہ ہندوستان کے چار کروڑ مسلمان ترک وطن کرکے پاکستان نہیں جا سکتے، یہ بالکل صحیح و درست ہے کہ یہیں کے حالات کے پیش نظر ان کو اپنی اصلاح و تنظیم کرنا چاہئے، اس بلند اخلاقی اصول سے بھی انکار نہیں کہ اگر جذبۂ ایثار و رواداری سے کام لیا جائے تو اس کا اخلاقی اثر دوسروں پر ضرور پڑتا ہے، لیکن اگر ان اصول پر کاربند ہونے کے بعد بھی نتیجہ خاطر خواہ نہ پیدا ہو، تو کیا کرنا چاہئے؟ — اس کا کوئی علاج انھوں نے نہیں بتایا۔

داہنی طرف کا صلیبی نشان علامت ہے اس امر کی کہ آپ کا چندہ ستمبر میں ختم ہوگیا اور اکتوبر کا پرچہ ۹ روپیہ ۵۲ پیسے میں وی پی روانہ ہوگا

نگار

اڈیٹر: نیاز فتحپوری

جلد ۷۶ — فہرست مضامین ستمبر ۵۹ء — شمارہ ۳

ملاحظات

قومی آواز اور نگار

اگست کے ملاحظات میں "مسلمان کیا کریں" کے عنوان سے میں نے جن خیالات کا اظہار کیا تھا اس پر معاصر قومی آواز نے جیسا کہ اس کا شعار ہے، بڑی سنجیدگی سے بحث کرتے ہوئے بعض ایسے سوالات پیش کردئے ہیں جن پر واقعی غور کرنے کی ضرورت ہے اور اگر توفیق ہو تو عمل کرنے کی بھی!

قومی آواز اس بات کو تسلیم کرتا ہے کہ ہندو مسلم ذہنیت کا اختلاف ہی بنیادی چیز ہے اور جب تک یہ اختلاف دور نہ ہو ہنگامہ و فساد کا انسداد دشوار ہے۔ لیکن فرق یہ ہے کہ میں اس انسداد کی ذمہ داری حکومت پر بھی عاید کرتا ہوں اور قومی آواز تنہا مسلمانوں پر۔ ہندوؤں پر نہیں، کیونکہ اسے معلوم ہے کہ وہ اس کی کیوں سننے لگے۔

اسی سلسلہ میں ایک سوال اس نے یہ کیا ہے کہ:-

"کیا کوئی ایسی صورت ممکن ہے کہ ذہنیتوں میں ضروری تبدیلی جلد پیدا کی جاسکے اور کیا اس سلسلہ میں مسلمان بھی کچھ کرسکتے ہیں ہم۔ کیا ان کاموں کو جو مسلمان کرسکتے ہیں ایک پروگرام بناکر باقاعدہ بھی کیا جاسکتا ہے"

پھر اسی سلسلہ میں فرقہ وارانہ مصالحت کی طرف سے مایوس ہوجانے والوں سے وہ اس طرح خطاب کرتے ہیں:-

"یہ سب مانتے ہیں کہ ۱۹۴۷ء میں منافرت کا جو عالم تھا وہ اب ۱۹۵۹ء میں نہیں ہے اور یہ بھی مانتے ہیں کہ اختلافوں کو بڑھاؤ تو وہ بڑھتے ہیں اور گھٹانے کی کوشش کرو تو وہ گھٹتے ہیں اور یہ کہ نفرت بڑھنا، گھٹنا ایسی چیز ہے جو مسلمانوں میں بھی اسی طرح کام کرتی ہے جیسے ہندوؤں میں۔ ان باتوں سے مطلب یہ نکلتا ہے کہ ہندو مسلمانوں کے دلوں میں جو ایک دوسرے

نفرت ہے وہ اگر بڑھ سکتی ہے تو گھٹ بھی سکتی ہے اور اس بات کو مان لینے کے بعد یہ بات روشن ہو جاتی ہے کہ دونوں فرقوں میں مصالحت کے امکانات ہیں"۔

قومی آواز یہی سوال اس سے پہلے بھی کئی بار اُٹھا چکا ہے، لیکن بات اصول و نظریہ سے آگے نہیں بڑھی۔ اگر مصالحت کا پروگرام بنانا اس کے نزدیک اصل علاج ہے تو اس کو چاہئے تھا کہ نظریاتی حیثیت سے ہٹ کر وہ کوئی پروگرام بھی پیش کرتا اور آگے بڑھ کر عملی اقدام کی کوئی موثر صورت پیش کرتا لیکن اس نے ایسا نہیں کیا اور بات منبر و محراب سے آگے نہ بڑھی۔ اس کا سبب یہ تھا کہ اڈیٹر قومی آواز میں "کردار و گفتار" کی ہم آہنگی مفقود ہے، بلکہ غالباً یہ کہ خود ان کی سمجھ میں اب تک کوئی پروگرام ایسا نہیں آیا جو ان کے نزدیک موثر اور نتیجہ خیز ثابت ہو۔

ان کا یہ ارشاد بالکل درست ہے کہ: "ہندو مسلم نفرت اگر بڑھ سکتی ہے تو گھٹ بھی سکتی ہے اور دونوں فرقوں میں مصالحت کے امکانات ہیں"۔ لیکن پھر بھی یہ سوال بدستور اپنی جگہ قایم رہتا ہے کہ ان امکانات سے فایدہ اُٹھانے کی کیا صورت ہے اور اس کا جواب خود انھیں کو دینا چاہئے اور انھیں کو سب سے پہلے عملی قدم اُٹھانا چاہئے۔

اخیر میں قومی آواز کا اداریہ ان فقروں پر ختم ہوتا ہے:-

"ہم تو صرف اسکیم پیش کر سکتے ہیں کہ فرقہ وارانہ ہنگاموں کو ختم کرنے کے لئے حکومت کو کیا کرنا چاہئے۔ اب یہ حکومت کی مرضی پر کہ وہ اس پر عمل کرے یا نہ کرے"۔

بالکل درست ہے کہ آپ صرف اسکیم ہی پیش کر سکتے ہیں اس پر عمل کرنا یا نہ کرنا حکومت کا کام ہے، لیکن خدارا کوئی اسکیم پیش تو کیجئے۔ مسلمانوں کو تو آپ کافی درس اخلاق دے چکے، حکومت کو بھی گاہ گاہ سیاسی اخلاق کا درس دے دیا کیجئے۔ "مسلمان کیا کریں" پر تو آپ بہت کچھ لکھ چکے، "حکومت کیا کرے" پر بھی کبھی کبھی کوئی لکچر ہو جایا کرے تو کیا حرج ہے۔

اب رہا یہ اندیشہ کہ اگر حکومت نے آپ کی تجویز نہ سُنی تو آپ کیا کریں گے؟ اس کا جواب بھی آپ ہی کو دینا ہے لیکن اس طرح نہیں کہ آپ پلٹ کر پھر "مسلمان کیا کریں" کے سوال پر آجائیں، اور اس Vicious Circle سے ہمیں باہر نہ نکلنے دیں۔

پست و غیر تربیت یافتہ ملکوں کی جمہوریتوں میں ہمیشہ یہی سرکل پیدا ہو جاتا ہے کہ کہنے والے بہت، کام کرنے والا کوئی نہیں۔ اس سلسلہ میں ایک لطیفہ یاد آگیا:-

"ایک بڑھیا کسی تانگہ سے ٹکرا کر بے ہوش ہو گئی، لوگ اکٹھا ہو گئے اور اپنی اپنی کہنے لگے۔ کسی نے مشورہ دیا "اس کو فوراً اسپتال پہونچانا چاہئے"۔ کسی نے کہا کہ "ہلدی پیس کر اس کے جسم پر تھوپ دینا چاہئے"۔ کسی نے کہا کہ "اس کو گھر پہونچا دینا مناسب ہوگا"۔ غرض ہر شخص اپنی اپنی کہہ رہا تھا، اتفاقاً انھیں میں سے ایک صاحب بول پڑے کہ "یہ کچھ نہیں، سب سے پہلے اس کو گرم گرم دودھ پلانا چاہئے تاکہ اس کے جسم کو گرمی پہونچے"۔ یہ سنتے ہوئے بڑھیا نے آنکھیں کھول دیں اور کپکپاتی ہوئی آواز سے بولی کہ "ارے کوئی ان کی بھی تو سنو، یہ کیا کہہ رہے ہیں"۔

لیکن نہ اس بڑھیا کی کسی نے سُنی اور نہ ہماری کوئی سُننے والا ہے!

حالانکہ ضرورت ہے کہ اس مسئلہ پر دو اور دو چار کی حیثیت سے غور کیا جائے، الجبرا کے (X) کی حیثیت سے نہیں جس کی قیمت غیر معلوم ہے۔ آیندہ اشاعت میں اس مسئلہ پر ہم زیادہ وضاحت کے ساتھ گفتگو کریں گے۔

احمدی جماعت

اگست کی اشاعت میں "احمدی جماعت" کے متعلق میں نے جو کچھ لکھا تھا اسے بعض نے پسند کیا، بعض نے ناپسند۔ پسند کرنے والوں کا ذکر نہیں لیکن جنھوں نے ناپسند کیا، ان کا شکر گزار ہوں، کیونکہ اس

سلسلہ میں بعض ایسی باتیں میرے سامنے آگئیں جن پر شاید میں گفتگو نہ کرتا اگر وہ معرض بحث نہ قرار پاتیں، حالانکہ ان پر گفتگو کرنا ضروری تھا جب سوادِ اعظم کی طرف سے کسی جماعت کی مخالفت کی جاتی ہے تو سب سے پہلا اعتراض اس کے معتقدات پر کیا جاتا ہے، چنانچہ احمدی جماعت کے خلاف جو تحریریں مجھے ملی ہیں ان میں بھی احمدی جماعت کے معتقدات ہی کو سامنے رکھا گیا ہے۔

یقیناً یہ بحث ایسی نہیں کہ اس کو نظر انداز کر دیا جائے، لیکن اس سلسلہ میں، کسی مخصوص جماعت کے معتقدات پر گفتگو کرنے سے پہلے ضروری ہے کہ نفس "اعتقاد" کی حقیقت و غایت دونوں کو سمجھ لیا جائے۔ ہو سکتا ہے کہ بعض ایسی باتیں جن کو ہم مذہب کی بنیاد سمجھتے ہیں محض فروع ہوں اور جن کو فروع جانتے ہیں وہی اساس و بنیاد ہوں۔ اور میں سمجھتا ہوں کہ احمدی جماعت کے مخالفین اسی چیز کو نظر انداز کر جاتے ہیں۔

اس وقت زیادہ تفصیل کا موقع نہیں، لیکن مختصراً یہ ظاہر کر دینا ضروری ہے کہ معتقدات کے دو حصے ہوا کرتے ہیں، ایک وہ جن کا طبعاً ماننا ضروری ہے اور دوسرے وہ جن کو ضرورتاً مان لینا چاہئے خواہ عقل انھیں باور کرے یا نہ کرے اور ان دونوں کی صحت کا معیار بالکل جدا جدا ہے۔ اُس کا معیار یہ ہے کہ "نہ مانیں تو کیا کریں" اور اس کا یہ کہ "نہ مانیں تو کچھ نہ کر سکیں" اور انسانی زندگی پر یہ دونوں باتیں دو بالکل مختلف زاویوں سے اثر انداز ہوتی ہیں۔

پھر اگر اس سلسلہ میں اس حقیقت کو بھی سامنے رکھا جائے کہ ہمارے معتقدات چاہے خواب ہوں یا کچھ اور لیکن حیاتِ انسانی یقیناً خواب نہیں ہے۔ زندگی اور زندگی کا تصور محض ان دونوں میں بڑا فرق ہے اور جو لوگ اس فرق کو محسوس نہیں کرتے اور پھر بھی اپنے آپ کو زندہ سمجھتے ہیں، ان کے متعلق اس کے سوا اور کیا کہا جا سکتا ہے کہ:

ہیں خواب میں ہنوز جو جاگے ہیں خواب میں

اس بنیادی اجمال کی فروعی تفصیل بہت زیادہ ہے اور میں کوشش کروں گا کہ احمدی جماعت کے باب میں آئندہ اسی تفصیل سے کام لے کر اپنے صحیح تاثرات پیش کر سکوں۔

آئندہ سالنامہ

سنہ ۱۹۶۱ء کے سالنامہ کے متعلق قارئین نگار سے طلب رائے کرنے کے بعد میں عجیب مصیبت میں مبتلا ہو گیا۔ میں سمجھتا تھا کہ لوگ غالب کی فارسی شاعری کو زیادہ پسند کریں گے، لیکن اس سلسلہ میں جتنے خطوط مجھے ملے ان کے پیش نظر کوئی صحیح فیصلہ کرنا دشوار تھا، اس لئے میں نے ایک تجویز یہ پیش کی کہ نگار کے بعض پچھلے خاص نمبروں سے (جو اب نایاب ہیں) کسی ایک کو مکرر شایع کر دیا جائے، کیونکہ حلقۂ نگار میں کے بھی بہت سے حضرات ایسے ہیں جنھوں نے ان خصوصی اشاعتوں میں سے کسی کا مطالعہ نہیں کیا۔ لیکن اس تجویز کا بھی یہی حشر ہوا، مختلف حضرات نے مختلف رائیں دیں۔ کسی نے مصحفی نمبر تجویز کیا، کسی نے نظیر نمبر، کسی نے قرآن نمبر۔ اور بعض نے ان سے ہٹ کر کچھ اور رائیں بھی دیں جن میں سے اکثر ناقابل عمل ہیں۔ بہر حال طلب رائے سے میری اُلجھنیں اور زیادہ بڑھ گئیں لیکن اس سے مجھے ایک تجربہ یہ ضرور ہوا کہ جس چیز کو شوریٰ یا ڈیماکریسی کہا جاتا ہے وہ ہے بڑے جھگڑے کی چیز۔ ممکن ہے سیاسی نقطۂ نظر سے کوئی معقول چیز ہو، لیکن علمی و ادبی دُنیا میں "ڈکٹیٹر شپ" کے سوا اور کسی پالیسی سے کام نہیں چل سکتا۔

اس لئے میں نے سوچ لیا ہے کہ اس باب میں اب نہ کسی سے رائے لوں گا، نہ کسی کی رائے پر عمل کروں گا، بلکہ خود فیصلہ کروں گا کہ سالنامہ کا موضوع کیا ہونا چاہئے اور آخیر وقت تک اس کا اظہار کسی پر نہ کروں گا، تاہم یہ ظاہر کر دینے میں کوئی حرج نہیں کہ سالنامہ جو کچھ بھی ہوگا تنہا میری کوشش کا نتیجہ ہوگا۔ اور بصورت ناکامی صرف میں ہی اس کا ذمہ دار ہوں گا۔

تنہا ملول بودن و تنہا گریستن

بھی اپنی جگہ ایک خاص لذت ہے۔

داہنی طرف کا صلیبی نشان علامت ہے اس امر کی کہ آپ کا چندہ نومبر میں ختم ہو گیا اور دسمبر کا پرچہ فوراً ۶ روپیہ ۵۰ پیسے میں وی پی روانہ ہوگا

نگار

اڈیٹر:- نیاز فتحپوری

جلد ۷۶	فہرست مضامین نومبر ۱۹۵۹ء	شمارہ ۵

ملاحظات

سرخ، زرد، سپید یہ ہیں تین خطرے جن سے دنیا اس وقت دوچار ہے، زرد خطرہ (چین کا) تو حال ہی میں رونما ہوا ہے، لیکن سرخ و سپید (یعنی روسی و امریکی) خطرہ جس نے کرۂ زمین کو عرصہ سے سرد جنگ میں مبتلا کر رکھا ہے نئی چیز نہیں اور ان کے دور ہونے کی تمنا خود انھیں بھی ہے، لیکن یہ آرزو کیونکر پوری ہو، ان کی سمجھ سے باہر ہے۔

اس وقت دنیا کا سیاسی مذہب علٰحدہ علٰحدہ دو جماعتوں میں منقسم ہے اور دونوں ایک دوسرے پر غالب آنے کی کوشش کر رہے ہیں، نتیجہ کیا ہوگا، اس بارے میں یقین کے ساتھ کچھ نہیں کہا جا سکتا، تاہم دونوں کے موجودہ موقف کو سامنے رکھ کر یہ ضرور کہا جا سکتا ہے کہ پچھلی چوتھائی صدی میں اشتراکیت یا شیوعیت نے بہت زیادہ قوت حاصل کر لی ہے جو حزب جمہوریت کے لئے یقیناً بڑے خطرہ کی بات ہے۔ ذیل کے نقشے سے آپ کو معلوم ہو سکے گا کہ اس وقت دنیا کی آبادی کس نسبت سے ان دونوں جماعتوں میں منقسم ہے اور ان کی عسکری قوت کیا ہے۔

۱- حزب جمہوریت سے منسلک ہونے والے ممالک کی فہرست یہ ہے:-

امریکہ - میکسیکو - کناڈا - گرین لینڈ - انگلستان - فرانس - اٹلی - اسپین - پرتگال - لیبیا - ترکی - ملایا - آسٹریلیا - جزائر فلپین و فاموسا - جنوبی کوریا - جاپان -

باب المراسلة والمناظرة

احمدی جماعت

(غبار یاور - کراچی)

حضرت محترم

قادیانیت کے بارے میں جو کچھ آپ نے لکھا وہ بظاہر صحیح اور بہ باطن غلط ہے۔ ان لوگوں نے انگریزی زبان میں جتنا لٹریچر شایع کیا ہے وہ نہایت عمدہ اور پڑھنے کے قابل ہے۔ لیکن دوسرے ملکوں خصوصاً اسلامی ملکوں میں یہ لوگ اختلافی مسایل کو بالکل نہیں اُبھارتے بلکہ عام مسلمانوں ہی کے خیالات پیش کرتے ہیں۔

ان لوگوں نے ایک تحریک یہ بھی چلائی تھی کہ کعبے سے اسود کا ایک ٹکڑا لاکر وہاں نصب کیا جائے، لیکن اُس شخص کو جس نے یہ حرکت کی سعودی حکومت نے قتل کرا دیا تھا۔ پنجاب میں ان لوگوں نے اس طرح یہ تحریک چلائی تھی جیسے قرامطہ اور بابیوں کی۔ ایک طوفان قتل و غارت گری اور ہنگامہ مچا رکھا تھا۔ مگر ظاہر ہے کہ وہ طریقہ کارگر نہ ہوا اور ختم ہوگیا۔

پاکستان میں ان کا مستقر ربوہ ہے۔ یہاں پر قصر نبوت، قصر خلافت، قصر ام اقدس اور جنت اور دوزخ بھی ہے اور جن سے عیاشی کا سلسلہ بھی موجود ہے جیسا قدیم عبادت گاہوں میں ہوتا تھا۔ یہ باتیں بڑی تفصیل چاہتی ہیں۔ آپ نے جو ان کی کامیابیوں کا ذکر کیا ہے بظاہر وہ کامیابیاں نظر آتی ہیں لیکن یہ بھی تو دیکھئے کہ ان کے اثرات نے کتنا فاسد مادہ پیدا کر دیا ہے۔ ان کے پاس اچھے وسایل ہیں تنظیم مضبوط ہے۔ ظاہر ہے کہ اس کے نتائج بھی ایسے ہی ہونگے

پاکستان آنے کے بعد میں نے ان کا وہ لٹریچر بھی پڑھا جو اُردو میں تھا اور جس میں وہ اپنے اصلی روپ میں ظاہر ہوئے ہیں۔ مرزا صاحب مرحوم بڑے قابل انسان تھے۔ اُنیسویں صدی تک تو وہ بڑی معقول باتیں لکھتے رہے لیکن یکایک ان کا دماغی توازن بگڑا اور نہ جانے کیوں ہذیان بکنے لگے۔ میرا خیال ہے کہ اُن کی زندگی کے آخری دس بارہ سالوں کی تحریروں نے ان کی علمیت و قابلیت کو سخت نقصان پہنچایا۔ پاکستان میں آج کل قادیانی مشن کا یہ طریقہ ہوگیا ہے کہ ان کی ابتدائی تحریروں کو بڑے جوش و خروش کے ساتھ منظر عام پر لاکر انھیں ایک عظیم فلسفی کی حیثیت سے پیش کیا جائے۔

مرزا صاحب شاعر بھی تھے۔ شاعری کے لوازم یعنی ذوق وجدان سے بالکل بے بہرہ تھے۔ مگر ان کے کلام کا اس نظر سے مطالعہ کرنا چاہئے کہ اس میں مرزا صاحب نے اپنے نبی اور مسیح ہونے کا نہایت مضحک نقشہ کھینچا ہے۔

دراصل اس جماعت میں پڑھے لکھے اور بڑے بڑے لوگ شامل ہیں۔ ان کا انداز تحریر نہایت عمدہ، مدلل اور موثر ہوتا ہے۔ لہٰذا ان لوگوں کو متاثر کرتا ہے جو خود بھی اپنا نقطۂ نظر مولویانہ نہیں رکھتے۔ میں اس بات کو تسلیم کرتا ہوں کہ علماؤں کی طرف سے اُن پر جو اعتراضات کئے گئے وہ نہایت گھٹیا قسم کے تھے۔ اس میں قصور علماء کا یا ان کے اسلام کا نہیں ہے بلکہ اس نظریت کا ہے جس کو یہ بیچارے آج تک طوق کی طرح اپنے کاندھے پر رکھے ہوئے ہیں۔

قادیانی عقاید کو اگر جمہور مسلمانوں کے لئے درست بھی تسلیم کرلیا جائے تو ختم نبوت کے مسئلہ کو کسی قیمت پر نظر انداز نہیں کیا جا سکتا ہے .... یہ لوگ اس سے انکار تو نہیں کرتے لیکن ایسی عجیب و غریب تاویلیں کرتے ہیں جنھیں عقل قبول نہیں کرتی۔ (اس کا یہ مطلب نہیں کہ جو تاویلیں ہمارے مولوی کرتے ہیں وہ سب ماننے کے لایق ہیں) آج کل اس بارے میں قادیانی حلقوں کی جانب سے جو کچھ لکھا جا رہا ہے اس کی نوعیت زیادہ تر علمی اور فلسفیانہ ہے اور جس کی صورت تاویلی اور تنزیلی دونوں ہے۔ قرآن کے حوالے دیتے ہیں۔ لفظوں کے عجیب عجیب معنی بیان کرتے ہیں۔ صحابہ اور صوفیا کے اقوال اور احادیث پیش کرکے اپنے دلایل کو موثر بناتے ہیں۔ اور یہ عمل اب اس حد تک ترقی کرگیا ہے کہ مرزا صاحب نے انفرادی اور تحریری خیالات کی نفی ہونے لگی ہے۔ یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ یہ جماعت مرزا صاحب کی رائے کے برخلاف استدلال اور معقولیت کا ساتھ دے رہی ہے۔ خود مرزا صاحب نے اقرار کے پردے میں جس طرح انکار کیا ہے اس کا مفصل حال تو ان کی تحریروں میں موجود ہے۔ البتہ اس کا لب لباب پیش کئے دیتا ہوں:-

۱- اللہ نے نبوت محمد (صلعم) پر ختم کردی

۲- اب اگر نبوت ملے گی تو محمد سے (اللہ سے نہیں) ؟

۳- نمبر ۱ کے مطابق محمد آخری نبی ہیں

۴- نمبر ۲ کے مطابق محمد خاتم انبیا ہیں

۵- نمبر ۴ کے مطابق محمد نے انبیا کی صداقتوں پر مہر ثبت کی۔

۶- صرف امت محمدی نبوت کی حقدار ہے۔

۷- میں (یعنی مرزا صاحب) چونکہ امتی ہوں لہٰذا نبی ہوں۔

اس کے علاوہ ناسخ و منسوخ، وفات عیسیٰ، ظہور مہدی اور حقیقت تصوف کے مسئلے بھی ایسے نہیں ہیں جنھیں سرسری سمجھا جائے۔

میں نے آج تک کبھی اس قسم کی بحثوں میں حصہ نہیں لیا۔ اور اگر یہیں اور سے کسی مذہبی حلقے سے یہ آواز اُٹھتی تو توجہ بھی نہ دیتا۔ لیکن چونکہ یہ گفتگو آپ نے نگار میں شروع کی جو غالباً اس کے شایان شان نہیں لہٰذا میں نے اپنی ذاتی رائے لکھنا ضروری خیال کیا۔ ممکن ہے یہ غلط ہو یا صحیح۔ اس کا فیصلہ آپ کے ذمہ ہے۔ آپ نے اب تک جو کچھ لکھا اور چھاپا ہے غالباً وہ سب میری نظر سے گزرا ہے لیکن ایسی غیر ذمہ دارانہ بات جس میں حقیقت

کے صرف ایک سُبک پہلو کو اُجھالا گیا ہے، یاد نہیں پڑتا کہیں اور دیکھی ہو۔

مجھے احساس ہے کہ میں بڑی قطعیت سے گفتگو کر رہا ہوں لیکن اختلاف کو محض اختلاف سمجھتے ہوئے غالباً اس کا کوئی خیال نہ کریں گے بلکہ قدر کریں گے۔

(نگار) میں نے چاہا تھا کہ آپ کے خط کا جواب خط ہی کے ذریعہ سے دے کر خاموش ہو رہوں، لیکن اس خیال سے کہ ممکن ہے آپ ہی کی طرح بعض اور اصحاب بھی کچھ ایسے ہی شبہات اپنے دل میں رکھتے ہوں، نگار کے ذریعہ سے گفتگو کرنا زیادہ مناسب نظر آیا۔

سب سے پہلے مجھے یہ حقیقت واضح کر دینا چاہئے کہ احمدی جماعت کے متعلق میں نے جو خیال ظاہر کیا ہے، اس کا خود میرے عقیدہ سے کوئی واسطہ نہیں، کیونکہ جس حد تک اصطلاحی ایمان کی تفصیل اور اس کے مابعد الطبیعیاتی عقاید کا تعلق ہے (جس میں حشر و نشر، دوزخ و جنّت، وجودِ ملائکہ، بقاءِ روح و معجزہ وغیرہ کا مادی تصور شامل ہے) میرا مسلک کچھ اور ہے۔ میں ان میں سے کسی چیز کے مادی و محسوس وجود کا قایل نہیں۔ لیکن میرا یہ انکار صرف اس لئے ہے کہ ان میں سے کوئی بات اب تک میری سمجھ میں نہیں آئی اور نہ میرے نزدیک خدائے واحد کی صحیح عظمت کا تصور اس وقت تک ممکن ہے، جب تک ان تعینات مادی سے بلند ہو کر اس کی کبرائی پر غور نہ کیا جائے۔ اور پھر یوں بھی طاعت و عبادت کے لئے "مے و انگبیں" کی لاگ مجھے پسند نہیں۔

تاہم میرا یہ انکار قطعاً غیر جارحانہ ہے، یعنی اگر کوئی جماعت بلندیٔ اخلاق کے حصول کے لئے ان تمام باتوں کا صحیح تسلیم کرنا ضروری سمجھتی ہے تو مجھے اس پر کوئی اعتراض نہیں وہ شوق سے اپنے عقاید پر قایم رہے، بشرطیکہ ان عقاید کے مقابلہ میں وہ اصلاحِ اعمال و کردار کو ثانوی حیثیت نہ دے اور صرف ان عقاید یا ظاہری طاعت و عبادت ہی کو مذہب کا تنہا نصب العین نہ قرار دے جیسا کہ آج کل عام طور پر دیکھا جا رہا ہے۔

علماء اسلام سے میرے اختلاف کا باعث یہی ہے کہ وہ اسلام کو رسمی طاعت و عبادت کی سطح سے اوپر لے جانا ضروری نہیں سمجھتے اور میں طاعت و عبادت کو ثانوی درجہ دے کر محض تزکیۂ نفس و اعمال کو اسلام کا حقیقی مقصود قرار دیتا ہوں۔ ممکن ہے آپ یہ خیال فرمائیں کہ جو کچھ میں کہہ رہا ہوں وہ محض ظن و تخمین ہے، لیکن میں آپ کو یقین دلانا چاہتا ہوں کہ یہ بالکل حقیقت ہے۔ کیونکہ میں نے ایک بار مختلف جماعتوں کے علماء سے بھی استفسار کیا تھا کہ اصل چیز عبادت ہے یا بلندیٔ اخلاق ہے تو سوا چند احمدی علماء کے سب نے یہی جواب دیا تھا کہ اصل چیز شعائرِ اسلام کی پابندی ہے اور محض اخلاق کی پاکیزگی موجبِ نجات نہیں ہو سکتی۔

پھر ظاہر ہے کہ وہ شخص جو مذہب کا اتنا وسیع مفہوم اپنے سامنے رکھتا ہو وہ اگر کسی مذہبی جماعت کی بابت کوئی رائے قایم کریگا تو اس کے سامنے سوال صرف اُس جماعت کی عملی زندگی کا ہوگا، نہ یہ کہ اس کے عقاید کیا ہیں اور اس کی طاعت و عبادت کے طریقے کیا! ۔۔ اور ۔۔ یہی وہ چیز تھی جس نے مجھے احمدی جماعت کی تعریف کرنے پر مجبور کر دیا، کیونکہ اس وقت تمام ان جماعتوں میں جو اپنے آپ کو اسلام سے منسوب کرتی ہیں، صرف یہی ایک جماعت ایسی ہے جو بانیٔ اسلام کی متعین کی ہوئی شاہراہِ زندگی پر پوری استقامت کے ساتھ گامزن ہے ۔۔ اور ۔۔ گو اس کا احساس تنہا مجھی کو نہیں بلکہ احمدی جماعت کے مخالفین کو بھی ہے، لیکن فرق یہ ہے کہ مجھے اس کے اظہار میں باک نہیں، اور ان کی رعونتِ نفس یا احساسِ کمتری اس اعتراف سے باز رکھتا ہے۔

بات بڑھتی جا رہی ہے لیکن غالباً بے محل نہ ہوگا اگر اس سلسلہ میں یہ بھی ظاہر کر دوں کہ گزشتہ نصف صدی کے عرصہ میں جو زیادہ تر مولویوں ہی سے جنگ کرنے میں گزرا ہے، میرا خیال کیوں احمدی جماعت کی طرف منتقل نہیں ہوا اور اب وہ کونسی نئی بات ایسی پیدا ہو گئی جس نے مجھے دفعتاً اس طرف متوجہ کر دیا۔

اس کا سبب صرف یہ ہے کہ میں اس عرصہ میں صرف اس بات پر غور کرتا رہا کہ مسلم جماعت کیوں اس قدر اقتصادی زبوں حالی اور اخلاقی پستی میں مبتلا ہے۔ وہی قرآن جو صحابہ کے زمانہ میں تھا اب بھی جوں کا توں موجود ہے۔ وہی تعلیماتِ اسلامی جس کی بدولت عرب کے بادیہ نشینوں نے اکاسرہ و قیاصرہ کی عظیم الشان حکومتوں کا تختہ اُلٹ کر رکھ دیا تھا، اب بھی علیٰ حالہا قایم ہے، لیکن آج مسلمان وہ نہیں ہے جو پہلے تھا۔ یقیناً یہ رجعتِ قہقری ہم کو پیروانِ اسلام ہی میں نہیں بلکہ دوسرے مذاہب و ادیان کی تاریخ میں بھی نظر آتی ہے اور جب ہم ان کے عروج و زوال کے اسباب پر غور کرتے ہیں تو صرف ایک ہی نتیجہ پر پہونچتے ہیں اور وہ یہ ہے کہ دنیا میں انقلابات کتابوں نے نہیں بلکہ ہمیشہ شخصیتوں نے پیدا کئے ہیں۔ یعنی جب تک کوئی اُبھارنے والی شخصیت موجود رہی تو قوم بھی ترقی کرتی رہی اور جب وہ شخصیت فنا ہو گئی تو قومی ترقی بھی رُک گئی اور رفتہ رفتہ پھر لوٹ کر اسی نقطہ تک پہونچ گئی جہاں سے وہ آگے بڑھی تھی۔

اس لئے اگر مسلمان اس وقت تباہ و برباد ہیں تو اس کا سبب صرف یہ ہے کہ ان میں اب کوئی شخصیت ایسی موجود نہیں جو عملاً ان کو تعلیماتِ قرآنی کی طرف لے جائے۔ حالانکہ ہمارے علماء و اکابرِ دین ہی میں سے کسی ایسی شخصیت کو اُبھرنا چاہئے تھا لیکن نہیں اُبھری۔

یہ تجربہ اس میں شک نہیں میرے لئے بڑا دردناک تھا اور اس خیال سے کہ ممکن ہے کوئی تحریک ہمارے علماء میں پھر زندگی پیدا کر دے، میں نے بعض عملی پروگرام بھی ان کے سامنے پیش کئے لیکن افسوس ہے کہ اس تن پرور و عیش کوش جماعت نے متعلق توجہ نہیں کی اور جب ان کی طرف سے مایوس ہو کر میں نے دوسری جماعتوں کے حالات کی جستجو شروع کی، تو آخر کار نگاہ جا کر ٹھہری احمدی جماعت پر۔ جیسا کہ میں اگست کے نگار میں ظاہر کر چکا ہوں، اس جماعت کے متعلق میں کوئی اچھا خیال نہ رکھتا تھا، لیکن جب میں نے اس کے موسّس و بانی کی زندگی، اس کی تعلیمات و تنظیم پر غور کیا تو ماننا پڑا کہ اس وقت صرف یہی ایک جماعت ایسی ہے جس نے اس نکتہ کو سمجھا کہ اصل ایمان محض اقرار باللسان نہیں بلکہ اقرار بالعمل ہے اور اپنی مضبوط تنظیم و استقامتِ کردار سے زندگی کی راہیں بدل دیں، ذہنی اقدار بدل دئے، زاویۂ فکر و نظر بدل دیا اور مسلمانوں کو پھر اس راہ پر لگا دیا جو بانیٔ اسلام نے متعین کی تھی۔

پھر یہ بات ایسی نہیں جس پر کسی منطقی حجت لانے کی ضرورت ہو، خود غور کیجئے کہ آپ کی اور احمدی جماعت کی زندگی میں کتنا نمایاں فرق ہے ۔۔ آپ کے یہاں زندگی نام ہے منتشر انفرادی تشخّص کا، اور ان کے یہاں مرکزی ہیئتِ اجتماعی کا۔ آپ کی اجتماعیت، افراد میں بٹ کر "ھباءً منثوراً" ہو چکی ہے اور ان کے یہاں تمام افراد سمٹ کر صرف ایک "حبل المتین" سے وابستہ نظر آتے ہیں۔ آپ کا شیرازہ بکھر چکا ہے اور وہ اس بکھرے ہوئے شیرازہ کے اوراق کو اکٹھا کر رہے ہیں۔

ان کی سادہ معاشرت، ان کی سادہ زندگی، ان کا جذبۂ خلوص و صداقت احساسِ ایثار و قربانی، پاسِ عہد، پابندیٔ شریعت، اور سب سے زیادہ ان کی عملی استقامت اور شداید کے مقابلہ میں فلسفیانہ صبر و ضبط ۔۔ یہی احمدی جماعت کے وہ بنیادی عناصر و اجزاء ہیں جن پر ان کے قصرِ اجتماعیت کی تعمیر ہوئی ہے اور جن سے اعراض کر کے دوسری مسلم جماعتیں اپنے وجود کو ختم کر چکی ہیں۔

پھر آپ ان حقایق کو تو سامنے رکھتے نہیں اور مجھے اُلجھانا چاہتے ہیں عقاید کی فروع و زواید میں جو میرے نزدیک کوئی اہمیت نہیں رکھتے۔

تو از آتش دُخاں بینی، من آتش از دُخاں بینم

آپ کو اس آگ میں صرف دھواں ہی دھواں نظر آتا ہے اور مجھے اس کے دھوئیں میں بھی آگ ہی آگ نظر آتی ہے۔

ولشتّان ما بین الخلّ والخمر!

بانی احمدیت کے متعلق میرا مطالعہ ہنوز تشنۂ تکمیل ہے اور میں نہیں کہہ سکتا کہ مرزا صاحب کی سیرت، ان کی تعلیمات، ان کی دعوتِ اصلاح، ان کے تفہیماتِ قرآنیہ، ان کے عقایدی نظریے اور ان کے تمام علمی کارناموں کو سمجھنے کے لئے کتنا زمانہ درکار ہوگا کیونکہ ان کی وسعت و ہمہ گیری کا مطالعہ "قلزم آشامی" چاہتا ہے اور یہ شاید میرے بس کی بات نہیں، تاہم اگر اس وقت تک کے تمام تاثرات کو اختصار کے ساتھ بیان کرنے پر مجھے مجبور کیا جائے تو میں بلا تکلف کہدوں گا کہ وہ بڑے غیر معمولی عزم و استقلال کا صاحب فراست و بصیرت انسان تھا جو ایک خاص باطنی قوت اپنے ساتھ لایا تھا اور اس کا دعوائے تجدید و مہدویت کوئی پا در ہوا بات نہ تھی"۔

اس سلسلہ میں آپ مجھ سے "کیوں اور کیا" کا سوال نہ کیجئے، کیونکہ یہ گفتگو بہت تفصیل چاہتی ہے اور اس وقت موضوع کچھ اور ہے تاہم آپ کے خط کے پیش نظر مجھے اس قدر ضرور عرض کرنا ہے کہ آپ نے جو الزامات اس جماعت پر قایم کئے ہیں ان میں سے اکثر بالکل لغو و غلط ہیں اور بعض مطلقاً آپ کے مزعومات سے تعلق رکھتے ہیں جن کا حقیقت سے کوئی واسطہ نہیں۔

۱- آپ کا یہ خیال کہ احمدی جماعت اسلامی ممالک میں اپنے حقیقی عقاید پیش نہیں کرتی، صحیح نہیں۔ اول تو آپ کو یہ سمجھنا چاہئے کہ اگر غیر ممالک میں وہ انھیں عقاید کی تبلیغ کرتے جو عام مسلمانوں کے ہیں تو یقیناً ان سے یہ سوال کیا جاتا کہ جب آپ کے عقاید بھی وہی ہیں جو مسلم جمہور کے، تو پھر ایک علٰحدہ جماعت بنانے کی کیا ضرورت تھی۔ لیکن آج تک کسی نے یہ سوال ان سے نہیں کیا۔ ان کے جتنے اخبارات و رسایل دوسری زبانوں میں شایع ہوتے ہیں ان کے مطالعہ سے بھی یہ بات ثابت ہے کہ وہ اپنے عقاید کو کبھی نہیں چھپاتے اور علی الاعلان وہی کہتے ہیں جسے وہ حق سمجھتے ہیں یہاں تک کہ خود بانی احمدیت کی کتابوں کے ترجمے بھی غیر زبانوں میں اسی غرض سے شایع کئے گئے کہ احمدیت کے صحیح مشن سے دنیا آگاہ ہو جائے۔ کیا آپ کو معلوم نہیں کہ افغانستان میں ایک مبلغ کو تہ تیغ کیا گیا محض اس جرم میں کہ وہ احمدی عقاید کی تبلیغ میں معروف تھا اور دمشق میں بھی دوسرے مبلغ پر قاتلانہ حملہ اسی جرم میں کیا گیا۔ جب ۱۹۲۴ء میں بانی احمدیت کے بیٹے کی مذاہب کانفرنس میں شرکت کی غرض سے لندن گئے تو جاتے ہوئے دمشق میں بھی قیام کیا اور وہاں کے علماء سے بھی انھیں مخصوص عقاید کے پیش نظر مناظرہ ہوا۔ ان حالات میں آپ کا یہ ارشاد کہ غیر ممالک کے لئے ان کے تبلیغی اصول کچھ اور ہیں، یقیناً نادرست ہے۔ آپ نے یہ خیال غالباً لندن کے اسلامک ریویو کو دیکھ کر قایم کیا ہوگا لیکن آپ کو شاید معلوم نہیں کہ اسے احمدی جماعت سے کوئی تعلق نہیں۔

۲- کعبہ سے سنگِ اسود کا ایک ٹکڑا اُچڑا لانے کی تحریک کے متعلق اس کے سوا کیا عرض کروں کہ

سادگی ختم ست چوں آئینہ بر نسیان ما

حیرت ہے کہ آپ نے اسے کیسے باور کر لیا۔ غور کیجئے کہ وہ ایسا کیوں کرتے؟ کیا اس لئے کہ وہ قادیان کو دوسرا کعبہ بنانا چاہتے تھے کیا اس لئے کہ وہ برکات سماوی کا کوئی بڑا مہبط ہے۔ آپ کو شاید معلوم نہیں کہ حرمین کی عزت و عظمت کا جو تصور ان کے سامنے ہے وہ مشکل ہی سے کسی دوسری مسلم جماعت میں پایا جاتا ہے۔ لیکن اس کا تعلق نہ سنگِ اسود سے ہے نہ غلاف کعبہ سے بلکہ اس حقیقت سے کہ ان مقامات کو دنیا کے سب سے بڑے نبی کے موطن و مہبط ہونے کی عزت حاصل ہے اور یہ نسبت چرائی نہیں جا سکتی۔

احمدی جماعت اور اس کے قائدین چاہے کچھ ہوں لیکن اتنے احمق کبھی نہیں ہو سکتے کہ وہ اس حرکت سے خود اپنے مشن کو ناقابلِ تلافی نقصان پہونچاتے۔

۳- ربوہ میں قصرِ نبوت اور قصرِ امام القدس کے نام سے کوئی عمارت موجود نہیں، آپ کی اطلاع بالکل غلط ہے، خلیفہ کی قیام گاہ کا نام البتہ انھوں نے "قصرِ خلافت" رکھا ہے، لیکن جب انھوں نے ایک شخص کو خلیفہ و امام تسلیم کر لیا ہے تو ظاہر ہے اس کی جائے قیام کو "خلافت" ہی سے منسوب کریں گے اور اسی نسبت سے اس کو یاد کرنا زیادہ مناسب ہے۔ ممکن ہے لفظ قصر پر آپ کو

اعتراض ہو کہ اس سے بوئے دولت و ثروت آتی ہے۔ لیکن آپ کو معلوم ہونا چاہئے کہ عربی میں لفظ قصر مطلقاً جائے قیام اور گھر کے معنی میں مستعمل ہے، یہاں تک کہ اگر ایک کوٹھری بھی پتھر چن کر بنا لی جائے تو اسے قصر کہہ سکتے ہیں۔

قادیان اور ربوہ میں نسبی و عقایدی سلسلہ کے لوگوں کے لئے بے شک قبرستان موجود ہے جنھیں وہ "مقبرۂ بہشتی" کہتے ہیں لیکن اس پر ناک بھوں چڑھانے کی کوئی وجہ نہیں اگر آپ مرنے والوں کے نام کے ساتھ مرحوم و مغفور کا اضافہ کرتے ہیں تو ان کے مدفن کو بہشتی مقبرہ کہنے میں کیا حرج ہے۔ اگر مرحوم و مغفور کہنا کوئی تمنا / دعا ہے تو قبرستان کو بھی بہشت سے منسوب کرنا اسی قبیل کی چیز ہے۔ رہا یہ امر کہ وہ حماشی کا گھر ہیں سو احمدیت کے خلاف ایسے اوچھے ہتھیار استعمال کرنا مناسب نہیں، کیونکہ اس سے ان کو تو کوئی نقصان نہیں پہونچتا، آپ ہی کا احساس کمتری ضرور سامنے آجاتا ہے۔

۴- آپ نے ایک جگہ یہ بھی ظاہر کیا ہے کہ ان کی تحریک قرامطہ و باطنیوں کی سی تھی۔ یہ پڑھ کر میں حیران رہ گیا۔ معلوم ہوتا ہے نہ آپ نے قرامطہ کی تاریخ کا مطالعہ کیا ہے اور نہ احمدی جماعت کی زندگی کا۔ کجا قرامطہ و باطنئین جن کی تحریک کی بنیاد ہی قتل و خونریزی پر قایم تھی اور کجا احمدئین جن پر ہمیشہ ظلم کیا گیا اور جنھوں نے اپنے شجرِ ایمان کی آبیاری ہمیشہ اپنے خون سے کی۔ حال ہی میں پاکستان کے اندر محض ایک جھوٹے پروپاگنڈا پر کہ وہ رسول اللہ کو خاتم النبیین تسلیم نہیں کرتے، انتہائی بیدردی کے ساتھ ان کو قتل و ذبح کیا گیا، لیکن یہ سب کچھ انھوں نے انتہائی صبر و ضبط سے برداشت کیا اور آخر کار اسی سرزمین میں جہاں ان کا خون بہایا گیا تھا، ربوہ میں اپنا زبردست ادارہ قایم کر کے دکھا دیا کہ

عشق ہر جا می رود ما را بہ ساماں می برد

۵- آپ نے یہ بھی ظاہر کیا ہے کہ آج کل مرزا صاحب کی تحریروں کو ایک عظیم فلسفہ کی حیثیت سے پیش کیا جا رہا ہے۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ اس سے قبل اس حیثیت سے پیش نہیں کیا جاتا تھا، حالانکہ مرزا صاحب جو تحریریں اب پیش کی جا رہی ہیں وہ پہلے بھی موجود تھیں اور اگر ان تحریروں میں آج فلسفہ پایا جاتا ہے تو پہلے بھی پایا جاتا ہوگا۔ آپ کا یہ اعتراض بالکل میری سمجھ میں نہیں آیا۔

۶- آپ نے اس امر کے ثبوت میں کہ مرزا صاحب، رسول اللہ کو خاتم النبیین نہیں سمجھتے تھے اور اس پر جو صغریٰ کبریٰ قایم کیا ہے وہ میری سمجھ سے باہر ہے۔ آپ ایک طرف خود یہ تسلیم کرتے ہیں کہ وہ محمدؐ کو خاتم النبیین سمجھتے تھے اور دوسری طرف اس کی تردید بھی کرتے ہیں۔ وہ اپنے آپ کو یقیناً ظلِ نبوی یا مہدیِ موعود سمجھتے تھے، لیکن ان کا یہ کہنا عقیدۂ "خاتم النبیین" کے منافی نہیں کیونکہ جس نبوت کو وہ آخری نبوت سمجھتے تھے، اس کا انھوں نے کبھی دعویٰ نہیں کیا اور جس ظلی ملکۂ نبوت کا حامل وہ اپنے آپ کو کہتے تھے، وہ کوئی نئی چیز نہیں۔ رسول اللہ نے خود اپنی امت کے علماء کو انبیاء بنی اسرائیل ظاہر کیا ہے اور مرزا صاحب یقیناً امتِ محمدی ہی سے تعلق رکھتے تھے۔

مرزا صاحب کے دعاوی میں اہم ترین دعویٰ یہی ہے کہ وہ مجدد تھے، سایۂ نبوی تھے، مہدیِ موعود تھے، لیکن ان سب کا مفہوم ایک ہی تھا، یعنی یہ کہ وہ احیاء دین کے لئے مامور ہوئے تھے اور اس میں کلام نہیں کہ انھوں نے یقیناً اخلاق اسلامی کو دوبارہ زندہ کیا اور ایک ایسی جماعت پیدا کر کے دکھا دی، جس کی زندگی کو ہم یقیناً "اسوۂ نبوی" کا پرتو کہہ سکتے ہیں۔ وہ اپنے آپ کو مہبطِ وحی و الہام بھی کہتے تھے، بظاہر یہ الفاظ بہت خطرناک نظر آتے ہیں لیکن اس مسئلہ پر نگار میں ہم بحوالۂ آیاتِ قرآنی کافی تفصیل کے ساتھ ظاہر کر چکے ہیں کہ وحی و الہام انبیاء کے لئے مخصوص نہیں اس میں حیوانات بھی شامل ہیں یہاں تک کہ نہ صرف تقویٰ بلکہ فسق و فجور کے میلان کو بھی الہام ہی سے تعبیر کیا گیا ہے (فالہمہا فجورہا و تقوٰہا)

اب رہا یہ امر کہ مرزا صاحب واقعی مہبطِ الہام تھے یا نہیں اور ان کے الہامات کیا اور کیسے ہوتے تھے، یہ ایک مستقل

موضوع ہے جس پر ہم آیندہ کسی وقت تفصیلی گفتگو کریں گے ۔

ناسخ و منسوخ اور وفاتِ عیسیٰ کے متعلق انھوں نے جو کچھ لکھا ہے اس سے ہمارے بعض علماء متقدمین کو بھی اتفاق ہے، لیکن فرق یہ ہے کہ مرزا صاحب نے حالاتِ حاضرہ کے پیش نظر اسے زیادہ زور و قوت کے ساتھ پیش کیا ہے ۔

رہا معاملہ مہدی موعود ہونے کا سو اس پر ہمیں آپ کو غور کرنے کی ضرورت نہیں، کیونکہ یہ دراصل چیلنج ہے غیر احمدی علماء کے لئے جو خود بھی احادیث و روایات سے ظہورِ مہدی کا استدلال کرتے ہیں اور مرزا صاحب انھیں احادیث و روایات سے اپنے آپ کو مہدی موعود و مثیلِ مسیح ثابت کرتے ہیں ۔ اس مسئلہ پر بھی مجھے بسیط بحث کرنا ہے ۔

یہاں تک تو آپ کے اعتراضات کا جواب تھا، لیکن اب مجھے اس سے ہٹ کر بھی کچھ عرض کرنا ہے وہ یہ کہ آپ اس باب میں خود تحقیق و جستجو سے کام لیجئے، دوسروں کے کہنے پر اعتماد نہ کیجئے ۔ اور اگر آپ نے ایسا کیا تو مجھے امید ہے کہ آپ کو بھی اس امر کا اعتراف کرنا پڑے گا کہ بانیِ احمدیت واقعی غیر معمولی فکر و نظر رکھنے والا انسان تھا اور قدرت کی طرف سے ایک خاص ذہنی قوت لے کر آیا تھا، جس نے ہر ہر قدم پر اس کی رہبری کی اور تعمیرِ اخلاق و کردار کی ایک بڑی یادگار اپنے بعد چھوڑ گیا ۔

می گویم و بعد از من گویند بدستانہا

مکتبۂ جدید لاہور کی مشہور تاریخی، سوانحی اور نفسیاتی مطبوعات

جو ظاہری و معنوی حیثیتوں سے معیاری درجہ رکھتی ہیں ۔ آپ ہندوستان میں ہمارے ذریعہ سے حاصل کر سکتے ہیں ۔ ذیل کی فہرست ملاحظہ فرمائیے اور آپ کو جو کتابیں درکار ہوں اُن کی قیمت مع محصول ڈاک ذریعۂ منی آرڈر ہمارے پاس بھیج دیجئے (کمیشن وی پی کا کوئی سوال نہیں) لیکن کوئی آرڈر دس روپے سے کم کا نہ ہونا چاہئے جس کے ساتھ محصول ڈاک بحساب پندرہ فی صدی آپ کو بھیجنا چاہئے ۔ منیجر نگار لکھنؤ

کتاب	مصنف	قیمت
حیاتِ محمدؐ	(محمد حسین ہیکل)	آٹھ روپے
ابوبکر صدیقؓ	(” ”)	دس روپے
الحسینؓ	(” ”)	ڈھائی روپیہ
الزہرا	(” ”)	دو روپیہ
الہارون	(” ”)	پانچ روپیہ
خالد سیف اللہ	(ابو زید شبلی)	پانچ روپیہ
عمرو بن العاص	(حسن ابراہیم حسن)	پانچ روپیہ
چنگیز خاں	(ہیرلڈ لیمب)	پانچ روپیہ
امیر تیمور	(” ”)	سات روپیہ
جینے کا قرینہ	(آندرے موروا)	چھ روپیہ
پریشان ہونا چھوڑئیے	(ڈیل کارنیگی)	چھ روپیہ
میٹھے بول میں جادو ہے	(” ”)	سات روپیہ
جینے کی اہمیت	(لین یو تانگ)	بارہ روپیہ

کتاب	مصنف	قیمت
زندگی کا راست	(ووس بیش جیبر)	چھ روپیہ
کامیابی کا راستہ	(” ”)	چار روپیہ
اپنا راستہ خود بناؤ	(خالق کامران)	چار روپیہ
کیا آپ کاروبار کرتے ہیں	(اعجاز حسین)	پانچ روپیہ
دلی سے اقبال تک	(سید عبد اللہ)	پانچ روپیہ
انسان اور آدمی	(محمد حسن عسکری)	چار روپیہ
مقدمۂ شعر و شاعری	(ڈاکٹر وحید قریشی)	دس روپیہ
تذکرۂ شوق	(عطاء اللہ پالوی)	چھ روپیہ
میر حسن اور انکے خاندان کے شعراء	(محمود فاروقی)	پانچ روپیہ
پھندنے	(سعادت حسین منٹو)	پانچ روپیہ
گنجے فرشتے	(” ” ”)	پانچ روپیہ
ٹھنڈا گوشت	(” ” ”)	تین روپیہ
چغد	(” ” ”)	تین روپیہ

عہدِ عباسیہ کا دورِ زریں

اور

خواتینِ عرب کا ذوقِ ادب

مامون الرشید، جسے خاندانِ عباسیہ کا گلِ سرسبد کہنا چاہئے ۔ اپنی تمام انسانی و شاہانہ خصوصیات کے لحاظ سے، جیسا عدیم النظیر اور فقید المثال خلیفہ گزرا ہے، اس کا حال ہر اُس شخص پر روشن ہے، جس نے سرسری نگاہ سے بھی اس عہد کی تاریخ کا مطالعہ کیا ہے ۔ اس کی مجالسِ فضل و کمال، اس کی سطوتِ شاہانہ، اس کی ہنر پروری، اسکی علم نوازی اور اس کی حیاتِ شعری کے حسین مناظر اسی کے ساتھ ختم ہو گئے، اور ایسا ہونا چاہئے تھا، کیونکہ عہدِ عباسیہ کا دورِ زریں جسکی ابتدا ہارون الرشید سے ہوئی تھی اس قدر سرعت کے ساتھ تکمیلِ حسن کے مناظر پیش کر رہا تھا اور مامون الرشید نے انھیں اس نقطۂ عروج پر پہونچا دیا تھا کہ دوسرے آنے والے خلیفہ کے لئے اس میں کسی اضافہ کرنے کی گنجائش ہی باقی نہ رہی تھی ۔

مامون الرشید کا اپنے وزیر حسن بن سہل کی لڑکی بوران سے شادی کرنے کا واقعہ، ہر مورخ نے بیان کیا ہے اور جس شوکت و اہتمام کے ساتھ یہ اقتران عمل میں آیا، اس سے ثابت ہوتا ہے کہ عہدِ مامون میں مسلمانوں کی دولت اور ان کی معاشرت کس قدر ترقی کر گئی تھی، لیکن سب سے زیادہ دلچسپ و عجیب واقعہ وہ ہے جسے دربارِ مامون کے مشہور مغنی اسحاق موصلی نے بیان کیا ہے اور جس سے معلوم ہوتا ہے کہ سب سے پہلے مامون نے بوران کو کب اور کیونکر دیکھا ۔

اس واقعہ کو صاحب عقد الفرید اور ابوالفرج اصفہانی صاحب الاغانی نے نہایت اہتمام سے بیان کیا ہے اور ابن خلدون نے اس کی تردید کی ہے، ظاہر ہے کہ ابن خلدون کی مورخانہ تنقید کے مقابلہ میں عقد الفرید یا الاغانی کی روایت کو صحیح نہیں کہا جا سکتا، لیکن اسحاق کی اس روایت سے کم از کم یہ ضرور پایۂ تحقیق کو پہونچتا ہے کہ اس وقت کی حیاتِ اجتماعیہ کا کیا رنگ تھا، اس وقت کی معاشرت کیسی تھی اور نیز یہ کہ اس عہد میں عورتوں کی مجالسِ ادب کیسی رنگین، کیسی فاضلانہ اور اسی کے ساتھ کیسی عفیف اور اچھوتی ہوا کرتی تھیں، امید ہے کہ ناظرین اس کو دلچسپی کے ساتھ پڑھیں گے

اسحاق موصلی کا بیان ہے کہ ایک دن میں خلیفہ مامون کے پاس بیٹھا ہوا تھا اور خلیفہ بہت مسرور و شاداں نظر آ رہا تھا ۔ دفعتاً اس نے مجھ سے مخاطب ہو کر کہا :۔ " اے اسحاق آج کا دن لطف و مسرت کا دن ہے "۔ میں نے عرض کیا " اے امیر المومنین، خدا اس عیش و مسرت کو مبارک کرے اور دوام بخشے "

اس کے بعد خلیفہ نے غلاموں سے مخاطب ہو کر کہا کہ :۔ " دروازہ بند کر دو اور شراب لاؤ "۔ یہ کہکر خلیفہ نے میرا ہاتھ پکڑا اور دوسرے کمرہ میں لے گیا جہاں تمام ضروری اسبابِ تفریح موجود تھے، یہاں کھانے سے فارغ ہونے کے بعد جب دورِ شراب شروع ہوا تو چار رو بطرف سے حسین و جمیل کنیزیں مختلف قسم کے سازِ موسیقی لے کر نمودار ہوئیں اور یہ محفلِ نشاط شام تک برپا رہی، جب آفتاب غروب ہوا تو خلیفہ نے

داہنی طرف کا صلیبی نشان علامت ہے اس امر کی کہ آپ کا چندہ دسمبر میں ختم ہوگیا اور جنوری کا پرچہ فوراً ۵ روپیہ ۵۰ پیسے میں وی پی روانہ ہوگا

نگار

اڈیٹر:- نیاز فتحپوری

جلد ۷۶	فہرست مضامین دسمبر ۵۹ء	شمار ۶

ملاحظات

آئندہ جنگ کا کوئی امکان نہیں

اس وقت جنگ کا سوال جب ہمارے سامنے آتا ہے تو ساتھ ہی روس و امریکہ بھی سامنے آجاتے ہیں، کیونکہ اگر جنگ ہوئی تو انھیں دونوں میں ہوگی، اور یہ بالکل خلاف عقل ہے کہ جس فردوسی زندگی کی تعمیر کے لئے انھوں نے خون پسینہ ایک کر رکھا ہے اسے وہ خود اپنے ہاتھوں سے تباہ و برباد کردیں۔

امریکہ اپنی صنعت و حرفت کی ترقی سے ثروت و دولتمندی کے جس نقطہ تک پہونچ گیا ہے وہ غیر ترقی یافتہ ممالک کے تصور میں بھی نہیں آسکتا۔ کہا جاتا ہے کہ امریکہ کی تمام صنعتی ترقیوں کا مقصود یہ ہے کہ دوسرے ممالک میں اپنا مارکٹ قایم کرکے وہاں کی دولت کھینچتا رہے اور عیش و نشاط کے جو اسباب اس نے پیدا کئے ہیں ان سے خود وہاں کی آبادی زیادہ مستفید نہیں ہوتی، گویا وہاں موٹریں، ٹیلی وژن سیٹ، ریڈیو وغیرہ دوسرے ملکوں کے لئے طیار ہوتے ہیں، اپنے ملک والوں کے لئے نہیں، لیکن یہ خیال بالکل غلط ہے۔ امریکہ کی قومی دولت ہی دراصل حکومت کی دولت ہے اور وہاں کوئی طبقاتی تقسیم ایسی نہیں ہے جو امیر کو غریب سے، سرمایہ دار کو مزدور سے علٰحدہ کردے۔ وہاں جس طرح فورڈ کا مالک اپنی زندگی بسر کرتا ہے، اسی طرح فورڈ کے کارخانہ کا مزدور بھی پرائیوٹ زندگی میں دونوں ایک دوسرے سے بے نیاز ہیں۔

اس وقت وہاں کے کارخانوں میں کام کرنے والوں کی تعداد ۲ کروڑ ۷۰ لاکھ ہے جن میں سے ہر ایک کو ہر ہفتہ اوسطاً ۹۰ ڈالر ۵ سنٹ اُجرت دیجاتی ہے (یعنی تقریباً دو ہزار دو سو روپیہ ماہوار) اور ظاہر ہے کہ کل آمدنی سے وہ مکان بھی بنوا سکتے ہیں، موٹر بھی رکھ سکتے ہیں،

احمدی جماعت اور میں

اول اول جب میں نے اگست ۵۹ء کے "نگار" میں احمدی جماعت کے متعلق اپنے تاثرات کا اظہار کیا۔ تو میں جانتا تھا کہ اس کا ردعمل کچھ نہ کچھ ضرور ہوگا۔ چنانچہ میرے پاس لوگوں کے خطوط آنے شروع ہوئے جن میں اکثر میرے خیال کی تردید میں لکھے گئے تھے لیکن بغیر کسی دلیل کے اور بعض ایسے بھی تھے جن میں بعض حالات و واقعات لکھ کر مجھ سے مطالبہ کیا گیا تھا کہ میں اس جماعت کے متعلق اپنی رائے واپس لوں۔ پہلی قسم اول کے خطوط کو تو میں نے نظر انداز کر دیا کیونکہ ان میں صرف سب و شتم سے کام لیا گیا تھا لیکن دوسری قسم کے خطوں میں سے ایک خط میں نے نومبر کے نگار میں شایع کر کے اس کا جواب بھی دیا اور نہ معلوم نہیں معترض پر اس کا کیا اثر ہوا، لیکن میرے اس جواب کو دیکھ کر بعض دیگر حضرات کے خطوط ضرور ایسے موصول ہوئے جن کے پیش نظر اس قضیے کے متعدد پہلوؤں پر اظہار خیال کا مطالبہ مجھ سے کیا گیا (گو وہ پہلو اس سے قبل بھی میرے سامنے تھے) مثلاً مجھ سے پوچھا گیا کہ:-

۱- مرزا غلام احمد صاحب کا دعوائے تجدید و مہدویت کہاں تک جایز و درست تھا۔

۲- کیا انکا دعوائے ظلی نبوت واقعی قابل اعتناء ہے اور کیوں؟

۳- کیا وہ اپنی سیرت و کردار کے لحاظ سے واقعی اس کے مستحق تھے کہ انھیں مجدد، مہدی، مثیل مسیح اور غیر تشریعی نبی تسلیم کیا جائے۔

۴- کیا ان کے بعض ارشادات واقعی کوئی ایسی اہمیت اپنے اندر رکھتے ہیں کہ انھیں ملہمات ربانی سے تعبیر کیا جائے۔

۵- کیا نزول مسیح و خروج مہدی کے بارے میں جو احادیث پائی جاتی ہیں وہ قابل تسلیم ہیں اور کیا ان کے پیش نظر مرزا صاحب اپنے آپ کو مہدی موعود کہنا درست ہوسکتا ہے؟

۶- کیا انھوں نے یہ نہیں کہا کہ احمدی جماعت کے افراد نماز میں غیر احمدی کی اقتدا نہ کریں اور نہ ان سے اپنی لڑکیوں کی شادیاں کریں، اگر یہ صحیح ہے تو کیا اس کے معنی یہ نہیں ہیں کہ وہ اپنے سوا دوسری مسلم جماعتوں کو مسلمان نہیں سمجھتے۔

۷- کیا قرآن پاک کی تفسیر کے سلسلہ میں اس جماعت کی بعض تاویلات خود متن قرآن کے منافی نہیں ہیں۔

۸- کیا اس جماعت کی تبلیغی کوششوں کی بنیاد کسی خاص اخلاقی و روحانی اصول پر قایم ہے۔ یا وہ محض گروہ بندی ہے۔

۹- ان کے مشن نے اس وقت تک جو کچھ کیا ہے، کیا وہ اپنی کیفیت کے لحاظ سے بھی اتنا ہی اہم ہے جتنا کمیت کے لحاظ سے۔

۱۰- کیا ان کا سلسلہ خلافت محض تنظیمی مصالح پر مبنی ہے یا روحانی و اخلاقی صلاحیت پر بھی۔

۱۱- کیا میرزا غلام احمد صاحب کا دعوائے مہدویت، سید محمد جونپوری کے دعوائے مہدویت سے علحدہ کوئی چیز ہے۔

اور اخیر میں سب سے زیادہ اہم سوال جس کا تعلق صرف میری ذات سے ہے، مجھ سے یہ بھی کہا گیا ہے کہ

۱۲- کیا میں احمدی جماعت میں شامل ہوجانے کا ارادہ رکھتا ہوں۔۔۔ اور اگر یہ صحیح ہے تو میرے موجودہ عقائد اور احمدی جماعت کا نقطۂ اشتراک کیا ہوسکتا ہے۔

اس میں شک نہیں کہ یہ تمام سوالات اپنی اپنی جگہ خاص اہمیت رکھتے ہیں، اور مجھے ان سب پر علحدہ علحدہ گفتگو کرنا ہے لیکن فی الحال دو موانع میرے سامنے حایل ہیں۔ ایک یہ کہ میں اب تک احمدی جماعت کی پوری تاریخ کا مطالعہ نہیں کرسکا ہوں (گو پندرہ بیس کتابیں میری نگاہ سے گزر چکی ہیں) اور دوسرے یہ کہ اگر میں اس سلسلہ کو شروع کردوں تو پھر بات احمدی جماعت ہی تک محدود نہ رہے گی، بلکہ اس سلسلہ میں مجھے حال و ماضی کی تمام مسلم جماعتوں کی تحریکات کا بھی جایزہ لینا پڑے گا، روایات و احادیث پر بھی گفتگو کرنا پڑے گی اور اسی کے ساتھ بعض قرآنی آیات پر بھی غور کرنا ہوگا۔

ظاہر ہے کہ یہ کام بڑی فرصت چاہتا ہے جو مجھے فی الحال حاصل نہیں۔ تاہم جی میرا بھی یہی چاہتا ہے کہ ایک بار کھل کر اس موضوع پر گفتگو کرسکوں اور ہوسکتا ہے کہ میرا یہ شوق کسی وقت مجھے اس پر مجبور کردے۔

بارہا خیال آیا کہ چند دن کے لئے قادیان یا ربوہ میں قیام کرکے ان حضرات سے تبادلۂ خیالات کی جرأت کروں، یا کسی احمدی عالم کو اپنے پاس بلاؤں اور اس سے بالمشافہ گفتگو کرکے کسی نتیجہ تک پہونچنے کی کوشش کروں، کیونکہ اس سلسلہ میں مجھے بہت سی باتیں پوچھنا پڑیں گی اور ان کا جواب وہی بہتر دے سکتے ہیں۔ لیکن اب تک اس ارادہ کی تکمیل نہیں ہوسکی۔

بہرحال میں تمام مستفسرین کو اس بات کا یقین دلا دینا چاہتا ہوں کہ اس مسئلہ میں ایک بار میں ایک قطعی و فیصلہ کن گفتگو ضرور کروں گا اور یہ سوال ہمت کا نہیں بلکہ محض موقع و وقت کا ہے۔ لیکن ان سوالوں میں سے آخری سوال کا جواب دینے کے لئے میں اب بھی طیار ہوں۔

میرے متعلق یہ سوال کہ میں کسی وقت احمدی ہوسکتا ہوں یا نہیں، اسی وقت پیدا ہوسکتا ہے جب پہلے مجھے مسلمان سمجھ لیا جائے یا کم از کم یہ کہ "میں کافر نہیں ہوں" ۔۔ میرے معتقدات ساری دنیا کو معلوم ہیں اور مسلمانوں کی کوئی روایت پرست جماعت ایسی نہیں جو میرے اسلام و ایمان کی طرف سے مشکوک ہو اسلئے کوئی وجہ نہیں کہ احمدی جماعت کو بھی اس سے مستثنیٰ قرار دیا جائے بنابراں میرے متعلق تو سب سے پہلے یہی طے ہونا ہے کہ میں مسلمان ہوں بھی یا نہیں (احمدی یا غیر احمدی کا سوال تو اس کے بعد پیدا ہوگا)۔۔ حالانکہ جہاں تک خود میرے یقین و اذعان کا تعلق ہے میں اپنے آپ کو بہت اچھا مسلمان سمجھتا ہوں اور اس دعوے کے ساتھ کہ:-

بسوز غالب آزادہ را دبابک ہدار
بشرط آنکہ توان گفت "مسلمانش"

اور یہیں سے کفر و اسلام کی وہ بحث چھڑ جاتی ہے، جو خدا کے تنزیہی و غیر تنزیہی تصور پر جاکر ختم ہوتی ہے اور مجھے علماء ظواہر کی طرف سے مایوس کردیتی ہے۔ اس جگہ مجھے یہ ظاہر کردینا چاہئے کہ اس وقت تک احمدی جماعت کا جو لٹریچر میری نگاہ سے گزرا ہے اس میں ضرور خدا کے اس تنزیہی تصور کے اشارات مجھے ملتے ہیں، تاہم اس سلسلہ میں مجھے میرزا غلام احمد صاحب کے دعوائے مہدویت و نبوت ظلی وغیرہ پر غور کرکے یہ دیکھنا ہے کہ میرے، اُن کے خدا میں کوئی فرق تو نہیں، اگر ہے تو کیا؟ نہیں ہے تو وہ کونسا نقطۂ اشتراک ہے جس پر میں اور وہ دونوں متفق ہوسکتے ہیں۔

باب الاستفسار

(۱)

قتل مرتد

(سید عبدالحیٔ رضوی - بھاگلپور)

ایک طرف یہ کہا جاتا ہے کہ اسلام نے مرتد کو قتل کئے جانے کا حکم دیا ہے - دوسری طرف یہ بھی دعویٰ کیا جاتا ہے کہ اسلام تلوار سے نہیں پھیلا - ان دونوں کی مطابقت میری سمجھ میں نہیں آئی -

اگر اسلام امن و سکون کا پیغام تھا اور جیسا کہ کہا جاتا ہے، دین کے معاملہ میں وہ "جبر و اکراہ" کو پسند نہیں کرتا، تو پھر قتل مرتد کے کیا معنی -

اگر کوئی شخص اسلام سے منحرف ہو جاتا ہے تو اس کے معنی یہ ہیں کہ وہ اس کی طرف سے مطمئن نہیں ہے اور اگر آپ اس جرم میں اس کو مستوجب قتل قرار دیتے ہیں، تو کیا اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ آپ اسے جبراً اسلام پر قائم رکھنا چاہتے ہیں - میں اس باب میں آپ کی رائے کا متمنی ہوں -

---

(نگار) اس مسئلہ میں آپ جن شبہات سے دوچار ہیں، وہ معمولی نہیں اور مخالفین اسلام نے اس سے کافی فایدہ اٹھایا ہے - اس میں شک نہیں کہ اگر اسلام نے واقعی قتل مرتد کا حکم دیا ہے، تو اس کے معنی صرف یہی ہو سکتے ہیں کہ وہ اشاعت دین کے معاملہ میں تلوار سے کام لینے کا بھی موید ہے -

اس سے انکار ممکن نہیں کہ اگر آپ احادیث اور فقہا کے فیصلوں کو سامنے رکھیں اور ان روایات و اقوال فقہی کو (بلا لحاظ اس کے کہ احادیث اور احکام فقہا کی نوعیت کیا ہے) حرف آخر قرار دیں تو اس کے سوا چارہ نہیں کہ قتل مرتد کے حکم کو آپ بے چون و چرا تسلیم کرلیں، لیکن اگر آپ ان دونوں سے ہٹ کر محض قرآن کو اپنے سامنے رکھیں تو ماننا پڑے گا کہ قتل مرتد یقیناً خدائی حکم نہیں ہے

قرآن میں لفظ مرتد ہم کو کسی جگہ نظر نہیں آتا - لیکن مصدر ارتداد کا صیغۂ ماضی (بحالت واحد، تثنیہ، جمع) یا تین جگہ ضرور استعمال کیا گیا ہے :- "فارتد بصیراً" (سورۂ یوسف) -- "فارتدا علیٰ آثارہما قصصاً" (سورۂ کہف) "ان الذین ارتدوا علیٰ ادبارہم" (سورۂ قتال) - اسی طرح لفظ یرتد (صیغہ مضارع) تین جگہ استعمال کیا گیا ہے (۱) "قبل ان یرتد الیک طرفک" (سورۂ نمل) - (۲) "لا یرتد الیہم طرفہم" (سورۂ ابراہیم) - (۳) "من یرتد منکم عن دینہ" (مائدہ) --- ایک جگہ لفظ لاتتد پھر سورۂ بقر میں آیا ہے (و من یرتدد منکم عن دینہ) سو ان میں اول الذکر دو آیتوں کا تعلق دینی ارتداد سے نہیں ہے ------------ البتہ سورۂ مائدہ و سورۂ بقر کی آیتوں میں ضرور

اس کا ذکر ہے -

بعض آیات ایسی بھی ہیں جن میں بغیر استعمال لفظ مرتد یا ارتداد، اسلام سے پھر جانے والوں کا ذکر کیا گیا ہے -

۱- سورۂ نحل میں ارشاد ہوتا ہے :-

"من کفر باللہ بعد ایمانہ الا من اکرہ و قلبہ مطمئن بالایمان ولاکن من شرح بالکفر صدراً فعلیہم غضب من اللہ ولہم عذاب عظیم"

(جس نے ایمان لانے کے بعد خدا سے انکار کیا (سوا اس حالت کے کہ وہ اس پر مجبور کیا گیا ہو حالانکہ اس کا دل مطمئن ہے) اور دل کھول کر کفر پر اتر آیا - سو ایسے لوگوں پر خدا کا غضب نازل ہوگا)

۲- اسی طرح سورۂ آل عمران میں ہم کو مسلسل پانچ آیتیں ایسی ملتی ہیں جن میں ایمان سے پھر جانے والوں کا ذکر کیا گیا ہے :-

"کیف یہدی اللہ قوماً کفروا بعد ایمانہم و شہدوا ان الرسول حق و جاءہم البینات --- واللہ لا یہدی القوم الظالمین --- اولئک جزاؤہم ان علیہم لعنۃ اللہ والملائکۃ والناس اجمعین، خالدین فیہا، لا یخفف عنہم العذاب ولا ہم ینظرون --- الا الذین تابوا من بعد ذلک و اصلحوا فان اللہ غفور رحیم --- ان الذین کفروا بعد ایمانہم ثم ازدادوا کفراً لن تقبل توبتہم و اولئک ہم الضالون"

ان تمام آیات کا مفہوم یہ ہے کہ جو لوگ ایمان کے بعد کفر میں مبتلا ہوئے وہ اللہ، ملائکہ اور انسانوں کی لعنت کے مستحق ہیں، اور نہ ان کے عذاب میں تخفیف ہوگی نہ ان کی توبہ قبول کی جائے گی -

۳- سورۃ النساء میں بھی ایک جگہ اسی قسم کی آیت پائی جاتی ہے :-

"ان الذین آمنوا ثم کفروا، ثم آمنوا ثم کفروا، ثم ازدادوا کفراً، لم یکن اللہ لیغفر لہم ولا لیہدیہم سبیلا"

(یعنی وہ لوگ جو بار بار ایمان لائے اور بار بار کفر میں مبتلا ہوئے ان کے لئے کوئی مغفرت و ہدایت نہیں ہے)

۴- اسی سلسلہ میں سورۂ برأت کی ایک آیت ملاحظہ ہو :-

"لا تعتذروا قد کفرتم بعد ایمانکم - ان نعف عن طائفۃ منکم نعذب طائفۃ بانہم کانوا مجرمین"

(یعنی تم دین سے پھر گئے تھے اور اب اس پر عذر پیش کرتے ہو)

۵- سورۂ مائدہ کی وہ آیت جس کا ذکر ہم کر چکے ہیں یہ ہے :-

"یا ایہا الذین آمنوا من یرتد منکم عن دینہ فسوف یاتی اللہ بقوم یحبہم و یحبونہ اذلۃ علی المومنین، اعزۃ علی الکافرین، یجاہدون فی سبیل اللہ"

(یعنی اگر تم میں سے کوئی اپنے دین سے پھر کر مرتد ہو گیا ہے تو ہو جانے دو، اللہ ایک دوسری جماعت لے آئے گا جو اس سے محبت کرنے والی ہے اور وہ خدا کی راہ میں اپنی کوششیں صرف کرے گی)

۶- سورۂ بقر کی آیت یہ ہے :-

"ومن یرتدد منکم عن دینہ فیمت وہو کافر فاولئک حبطت اعمالہم فی الدنیا والآخرۃ و اولئک اصحاب النار ہم فیہا خالدون"

(یعنی اگر تم میں کوئی شخص دین سے پھر جائے اور کفر ہی کی حالت میں مرے تو وہ عذاب جہنم کا مستحق ہوگا)

ان تمام آیات میں ۔ نمبر (۱) سے لیکر نمبر (۴) تک لفظ ارتداد یا اس کا کوئی مشتق استعمال نہیں کیا گیا، لیکن اس کا مفہوم ارتداد ہی ہے، کیونکہ ان سب میں "کفر بعد ایمان" کا ذکر کیا گیا ہے جسے ہم ارتداد ہی کہہ سکتے ہیں ۔ اس کے بعد آیات نمبر ۵ و نمبر ۶ میں البتہ ارتداد کے مشتقات یرتد اور یرتدد استعمال کئے گئے ہیں ۔ لیکن ان میں کہیں ارتداد کی سزائے قتل کا ذکر نہیں ہے اگر آپ اول الذکر چار آیتوں کو (جن میں صاف صاف ارتداد کا ذکر نہیں ہے) نظر انداز کر دیں تو سورۂ مایدہ اور سورۂ بقر کی آیتوں میں تو ضرور سزائے قتل کا اظہار ہونا چاہئے تھا جن میں پوری وضاحت اور خاص اہتمام کے ساتھ یرتد اور یرتدد کے الفاظ استعمال کئے گئے ہیں ۔ لیکن وہاں بھی اس کا ذکر نہیں پایا جاتا۔

عیسائی البتہ سورۂ بقر کی مندرجہ بالا آیت کے پیش نظر یہ اعتراض کرتے ہیں کہ قرآن نے قتل مرتد کا وحشیانہ حکم دیا ہے ۔ اور انھوں نے یہ استنباط لفظ فلیمت سے کیا ہے کیونکہ اس کا مفہوم انھوں نے غلطی سے "مار ڈالا جائے" سمجھا ہے۔ حالانکہ "فیمت و ہو کافر" کا مفہوم یہ ہے کہ "کفر کی حالت میں مر جائے"۔

لیکن حیرت کی بات یہ ہے کہ امام شافعی کے متعلق بھی یہی کہا جاتا ہے کہ انھوں نے قتل مرتد کا استنباط اسی آیت سے کیا تھا۔ بہرحال قرآن مجید میں کسی جگہ مرتد کو قتل کر دینے کا حکم نہیں پایا جاتا ۔ البتہ کتب احادیث میں (مثلاً ابن ماجہ، نسائی، ترمذی، ابو داؤد، مسند امام حنبل وغیرہ) ہر جگہ بسلسلۂ ذکر حدود، قتل مرتد کا حکم صاف صاف موجود ہے اور بخاری میں تو ایک باب ہی باستتاب المرتدین کے عنوان سے قایم کر دیا گیا ہے ۔ اسی طرح فقہاء اسلام کی کتابوں میں ہم کو ہر جگہ قتل مرتد کے احکام نظر آتے ہیں ۔

اس لئے اس جگہ یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب قرآن پاک میں قتل مرتد کا حکم کسی جگہ نہیں پایا جاتا، تو پھر احادیث میں کیوں ہے ؟ ۔ اس کے دو ہی سبب ہو سکتے ہیں، ایک یہ کہ ہم ان تمام احادیث کو موضوع قرار دیں، یا یہ کہیں کہ راویان احادیث نے رسول اللہ صلعم کے منشاء کو صحیح نہیں سمجھا اور جن حالات کے تحت رسول اللہؐ نے قتل مرتد ضروری قرار دیا تھا انھیں نظر انداز کر دیا یقیناً ہم تمام احادیث کو غلط نہیں کہہ سکتے اور نہ یہ تصور کر سکتے ہیں کہ رسول اللہؐ کلام الٰہی کے منشاء کے خلاف کوئی حکم دے سکتے تھے، اس لئے اب صورت صرف یہی رہ جاتی ہے کہ جن صورتوں میں رسول اللہؐ نے قتل مرتد کو ضروری قرار دیا تھا وہ یقیناً کچھ اور رہی ہوں گی ۔

اس سلسلہ میں جب ہم تاریخ اور واقعات قتل مرتد کی جستجو کرتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ تاریخ اسلام میں اس سزا کے ہم کو صرف دو واقعے ملتے ہیں، ایک عکل کا اور دوسرا وہ جب رسول اللہؐ کی رحلت کے بعد مرتدین کے خلاف حضرت ابوبکر نے فوجکشی کی ۔ لیکن ان دونوں کا تعلق محض ارتداد سے نہ تھا۔

عکل کا واقعہ یہ ہے کہ اسلام لانے کے بعد جب اس نے شکایت کی کہ مدینہ کی آب و ہوا اس کے لئے موافق نہیں ہے تو اس سے کہا گیا کہ تم حکومت کے اونٹوں کی چراہ گاہ پر چلے جاؤ کیونکہ وہاں کا موسم اچھا ہے، چنانچہ یہ اپنے ساتھیوں سمیت وہاں چلا گیا اور یہاں پہونچکر وہ اونٹوں کے محافظوں کو قتل کر کے ان کا گلہ چرا لے گیا اور مرتد ہو گیا۔

اس صورت میں اس قصاص کو محض قصاص ارتداد نہیں قرار دیا جا سکتا، کیونکہ اس نے مرتد ہونے کے بعد لوٹ مار بھی کی تھی جس کی پاداش میں اسے قتل ہونا چاہئے تھا، جیسا کہ سورۂ مائدہ کی حسب ذیل آیت سے ثابت ہوتا ہے :۔

"انما جزاؤ الذین یحاربون اللہ و رسولہ و یسعون فی الارض فساداً ان یقتلوا، او یصلبوا او تقطع ایدیہم و ارجلہم من خلاف او ینفوا من الارض"۔

(یعنی وہ لوگ جو اللہ اور اس کے رسول سے جنگ کرتے ہیں اور زمین میں فساد پھیلانے والے ہیں، ان کی سزا یہی ہے

کہ انھیں قتل کر دیا جائے، سولی دیدی جائے یا ان کے ہاتھ پاؤں کاٹ دئے جائیں یا خارج البلد کر دیا جائے)

اس سلسلہ میں جب حضرت عائشہ کی وہ حدیث میری نگاہ سے گزری جس میں آپ نے مرتد کی سزا کے متعلق رسول اللہ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ "انھیں قتل کر دیا جائے، سولی دیدی جائے یا جلاوطن کر دیا جائے" (ملاحظہ ہو ابو داؤد باب حدود ۔ مسند حنبل اور تفسیر طبری) تو قرآن پاک کی محولۂ بالا آیت کے پیش نظر (جس میں انھیں تین سزاؤں کا ذکر کیا گیا ہے) مجھے یقین ہو گیا کہ جن احادیث کو قتل مرتد کے ثبوت میں پیش کیا جاتا ہے ان سے مراد ارتداد محض نہیں ہے بلکہ اس میں فساد فی الارض اور تخریب امن و سکون بھی شامل ہے جو حکومت کے خلاف بغاوت و غداری کے مترادف ہے اور اس کی سزا یقیناً قتل ہی ہونا چاہئے ۔ جس پر موجودہ زمانہ میں بھی عمل کیا جاتا ہے ۔

رہا حضرت ابوبکر کا مرتدین کے خلاف جنگ کرنا، سو اس کا سبب بھی محض ارتداد نہ تھا بلکہ بغاوت و غداری تھی جس سے ملک کے امن و سکون اور مسلم اجتماعیت کے درہم برہم ہو جانے کا اندیشہ تھا۔

بہرحال ارتداد محض کی سزائے قتل قرآن میں تو کہیں مذکور نہیں اور احادیث وغیرہ میں جو اس کا ذکر پایا جاتا ہے سو اس کا تعلق بھی انھیں مرتدین سے ہے جن کی موت سے مسلمانوں کے خلاف جنگ کرنے اور حکومت کی سالمیت کو نقصان پہونچانے کا اندیشہ پیدا ہو سکتا تھا۔

دین کا تعلق بالکل ذاتی اطمینان سے ہے اس لئے جبر و اکراہ سے ایک شخص مسلمان تو بن سکتا ہے لیکن مومن نہیں ہو سکتا اور اسی حقیقت کے پیش نظر قرآن نے نہایت وضاحت کے ساتھ کھلے لفظوں میں کہدیا کہ "لا اکراہ فی الدین" بلکہ اس سے زیادہ یہ کہ "لکم دینکم ولی دین" اس لئے ظاہر ہے کہ جو مذہب اس درجہ آزادی ضمیر کا حامی ہو، کیونکر وہ ایک مرتد کو واجب القتل قرار دے سکتا ہے، جبکہ وہ محض کفر کو بھی اس پاداش کا مستحق نہیں سمجھتا ۔ قرآن میں کفار سے جنگ و قتال کرنے کا ذکر ضرور پایا جاتا ہے، لیکن ان کے کفر و شرک کی وجہ سے نہیں بلکہ اس لئے کہ انھوں نے مسلمانوں کو جینا دشوار کر دیا تھا اور اس صورت میں نہ صرف دفاع بلکہ جارحانہ اقدام بھی انسان کا فطری فرض ہو جاتا ہے ۔

---

(۲)

عروضی تعیین وزن و بحور

(اسلام احمد خاں ۔ ناگپور)

نگار میں اس سے پہلے کئی بار عروضی بحث کو دیکھ کر مجھے یہ خیال پیدا ہوا کہ اگر شعر گوئی کے لئے عروض کا جاننا ضروری ہے تو پھر ہم میں سے اکثر کو شعر کہنا ترک کر دینا چاہئے، کیونکہ ہزار میں کوئی ایک شاعر بھی اس فن سے واقف نہیں ۔ مجھے بھی شعر گوئی کا کچھ کچھ ذوق ہے، لیکن میں وزن و تقطیع سے بالکل ناواقف ہوں اور اسی لئے بارہا خیال آیا کہ میں اس مشغلہ کو ترک کر دوں ۔ لیکن اس امید پر کہ شاید کسی وقت اس فن سے بھی کچھ واقفیت پیدا ہو جائے کبھی کبھی شعر کہہ لیتا ہوں ۔

اس وقت آپ کو تکلیف دینے کی غرض صرف یہ معلوم کرنا ہے کہ آیا شاعری کے لئے عروض دانی ضروری ہے اور کیا

اس میں سب سے پہلے حضرت نظیر ولی کا ذکر کیا گیا ہے جو اب سے ۹۵ سال قبل وہاں پائے جاتے تھے، اس کے بعد عبدالرزاق راسخ، غلام مصطفےٰ مرغوب، فرحت، قمرالدین قہر، عاجزہ (خاتون)، امین الدین امین، عارف سہروردی، عبدالغفور راز، سیف، عزیز، انورتی، ذوقی اور مصطفےٰ شعراء ترچناپلی کا ذکر کیا گیا ہے، مولف نے ہر ایک کا نمونۂ کلام بھی دیا ہے اور اس پر اپنی رائے بھی ظاہر کی ہے۔

یہ تذکرہ جناب حضرت سہروردی کی کاوش کا نتیجہ ہے، جس کا ملک کو اعتراف کرنا چاہئے۔

قیمت ایک روپیہ - ملنے کا پتہ :- اسلامیہ بک ڈپو کرنول -

شاعری کے نئے دور

بھارتی گیان پیٹھ کاشی کا بڑا مشہور ہندی ادارہ ہے جو عرصہ سے اُردو کے شاعرانہ و ناقدانہ لٹریچر کو ہندی میں منتقل کر کے بڑی اہم ادبی خدمات انجام دے رہا ہے۔

یہ کتاب اسی سلسلہ کی ایک کڑی ہے جس میں نئے دور کے اُردو شاعروں کے کلام کا انتخاب پیش کیا گیا ہے۔

شرح القصیدہ

اب سے تقریباً ۶۵ سال قبل ۱۸۹۳ء کی بات ہے مرزا غلام احمد صاحب قادیانی کے دعوائے تجدید و مہدیت سے ملک کی فضا گونج رہی تھی اور مخالفت کا ایک طوفان ان کے خلاف برپا تھا۔ آریہ، عیسائی اور مسلم علماء سبھی ان کے مخالف تھے اور وہ تن تنہا ان تمام حریفوں کا مقابلہ کر رہے تھے۔ یہی وہ زمانہ تھا جب انھوں نے مخالفین کو "ہل من مبارز" کے متعدد چیلنج دئے اور ان میں سے کوئی سامنے آیا۔ ان پر منجملہ اور اتہامات کے ایک اتہام یہ بھی تھا کہ وہ عربی و فارسی سے نابلد ہیں۔ اسی اتہام کی تردید میں انھوں نے یہ قصیدۂ نعت عربی میں لکھ کر مخالفین کو اس کا جواب لکھنے کی دعوت دی، لیکن ان میں سے کوئی بروئے کار نہ آیا۔

مرزا صاحب کا یہ مشہور قصیدہ ۶۹ اشعار پر مشتمل ہے اور اپنے تمام لسانی و فنی محاسن کے لحاظ سے ایسی عجیب و غریب چیز ہے کہ سمجھ میں نہیں آتا، ایک ایسا شخص جس نے کسی مدرسہ میں زانوئے ادب تہ نہ کیا تھا، کیونکر ایسا فصیح و بلیغ قصیدہ لکھنے پر قادر ہوگیا۔ اسی زمانہ میں ان کے مخالفین یہ بھی کہا کرتے تھے کہ ان کی عربی زبان کی شاعری غالباً ان کے مرید خاص مولوی نورالدین کی ممنون کرم ہے، لیکن اس الزام کی لغویت اسی سے ظاہر ہے کہ مولوی نورالدین خود مرزا صاحب کے بڑے معتقد تھے اور اگر مرزا صاحب کے عربی قصاید وغیرہ انھیں کی تصنیف ہوتے تو مرزا صاحب کے اس کذب و دروغ پر کہ یہ سب کچھ خود انھیں کی فکر کا نتیجہ ہے، سب سے پہلے مولوی نورالدین ہی معترض ہو کر اس جماعت سے علٰحدہ ہو جاتے، حالانکہ مرزا صاحب کے بعد وہی خلافت کے مستحق قرار دئے گئے۔

یہ رسالہ مرزا صاحب کی اسی عربی قصیدہ کی شرح ہے جس کا ذکر ابھی ہو چکا ہے۔ یہ شرح مولوی جلال الدین شمس نے لکھی ہے جو کسی وقت بلادِ عرب و انگلستان میں احمدی مبلغ کی خدمات انجام دے چکے ہیں۔ یہ شرح انھوں نے بڑی عقیدتمندانہ کاوش سے لکھی ہے۔ جیسا کہ ہم پہلے ظاہر کر چکے ہیں، یہ قصیدہ نہ صرف اپنی لسانی و فنی خصوصیات بلکہ اس والہانہ محبت کے لحاظ سے بھی (جو مرزا صاحب کو رسول اللہ سے تھی) بڑی پر اثر چیز ہے۔

یہ قصیدہ اس شعر سے شروع ہوتا ہے :-

یا عین فیض اللہ والعرفان　　یسعی الیک الخلق کالظمآن

اور اختتام اس شعر پر ہوتا ہے :-

جسمی یطیر الیک من شوقٍ علا　　یا لیت کانت قوۃ الطیران

یہ رسالہ الشرکۃ الاسلامیہ، ربوہ (پاکستان) سے حاصل کیا جا سکتا ہے۔

داہنی طرف کا صلیبی نشان علامت ہے اس امر کی کہ آپ کا چندہ اس ماہ میں ختم ہوگیا

نگار

(جون کا پرچہ علٰحدہ شایع نہیں ہوا)

اڈیٹر:- نیاز فتحپوری

۳۹ واں سال | شمارہ ۶-۷

فہرست مضامین جولائی سنہ ۱۹۶۶ء

ملاحظات

میرا سفر پاکستان

روانگی لکھنؤ ـــ ۸ مئی ـــ ورود لاہور ـــ ۹ مئی
قیام لاہور: ۴۸ گھنٹے
روانگی لاہور ـــ ۱۱ مئی ـــ ورود کراچی ـــ ۱۲ مئی
قیام کراچی: ۳۰ دن
روانگی کراچی ـــ ۱۱ جون ـــ ورود لکھنؤ ـــ ۱۳ جون

یہ ہے میری مختصر سی روداد سفر، وقت و تاریخ کی تعیین کے لحاظ سے ـ لیکن بہ لحاظ تاثرات وہ بڑی طویل داستان ہے۔ اتنی طویل کہ

میرا یں رشتہ بہ تمام نہ کیا ہستم

یعنی اگر اس وقت میں صرف مخلصین امرتسر، احباب لاہور اور کرم فرمایان کراچی کے ذکر پر اکتفا کردوں تو بھی غالباً دفتر کے دفتر سیاہ ہوجائیں اور بات پھر بھی "بہ یک فسانہ سرائی" اور "آشفتہ نوائی" سے آگے نہ بڑھے۔

امرتسر اور جناب قاصر

۹ مئی کی صبح کو جب گاڑی امرتسر اسٹیشن پہنچی، تو دیگر احباب امرتسر کے ہجوم میں محب صادق جناب برہم ناتھ دت قاصر کا دفعتاً چہرہ نظر آیا اور سفر کی تمام کلفتیں یک لخت محو ہوگئیں۔

(بقیہ ملاحظات صفحہ ۰)

ویزا سسٹم اس سلسلہ میں غالباً اس اظہار کی ضرورت نہیں کہ دونوں ملکوں کا سیاسی رابطہ کس حد تک رابطہ عوام پر منحصر ہوتا ہے اس لئے ضرورت تھی کہ سب سے پہلے "ویزا سسٹم" کو ختم کر دیا جاتا۔ اس کا فوری اثر یہ ہوتا کہ دونوں ملکوں کی جدائی جو در اصل گوشت اور ناخن کی جدائی ہے کم ہو جاتی اور ان کے باہمی تمدنی تعلقات کی آسانیاں، حکومتوں کے سیاسی تعلقات کی راہوں میں بھی آسانیاں پیدا ہو سکتیں۔ سُنا جاتا ہے کہ یہ مسئلہ زیر غور ہے، لیکن غور کی کس منزل پر ہے، اس کا علم کسی کو نہیں۔

تبادلۂ کتب و صحایف اسی طرح تجارتی تعلقات کے سلسلہ میں سخت ضرورت اس بات کی بھی تھی کہ کتابوں اور اخبارات کی درآمد برآمد پر سے پابندیاں اُٹھالی جاتیں، کاپی رائٹ ایکٹ دونوں جگہ مشترک لمال قرار دیدیا جاتا اور وی پی سسٹم کو بحال کرکے روپیہ کی آمد و رفت میں آسانیاں پیدا کر دی جاتیں۔ مالیاتی نقطۂ نظر سے بھی پاکستان کو اس باب میں پس و پیش کی ضرورت نہیں، کیونکہ اس صورت میں دونوں جگہ تبادلۂ زر کا توازن بالکل یکساں رہے گا، بلکہ اس کا امکان زیادہ ہے کہ وہاں کتب و صحایف کی برآمد درآمد سے بڑھ جائے۔

مسئلۂ کشمیر یہ بات بار بار دہرانے کی نہیں کہ ہندوستان و پاکستان کے باہمی تعلقات کی راہ میں جو سب سے بڑا سنگ گراں حایل ہے وہ کشمیر ہے اور اس کے ہٹانے کی جو تجاویز اس وقت تک دونوں طرف سے پیش کی گئی ہیں ان میں سے کوئی موثر ثابت نہ ہوئی، تاہم یہ امید افزا رجحان ضرور پیدا ہو چلا ہے کہ اس مسئلہ کو صرف "صلح و آشتی" سے طے ہونا چاہئے، گو ابھی تک معلوم نہیں ہو سکا کہ اس "صلح و آشتی" کے بقا کے لئے کون کس حد تک اپنے مطالبات میں ترمیم کرنے پر آمادہ ہے تاہم یہ ناممکن نہیں کہ کسی وقت یہ جذبۂ رواداری کوئی عملی صورت اختیار کرلے اور سودا سمجھ کر نہیں بلکہ انسانیت و مصلحت کا تقاضہ سمجھ کر بلا لحاظ سود و زیاں اس کو طے کر لیا جائے۔

نہ وقت اب رائے شماری کے تقاضہ کا ہے، نہ سالم کشمیر کے سالم قبضہ و اقتدار کا۔ ترازو سے تولنے کا وقت ختم ہو گیا ہے اور اب ضرورت اس کی ہے کہ انتہائے فراخدلی و رواداری سے کام لے کر کشمیر کی سرحد پر دونوں ایک دوسرے سے گلے ملیں اور اپنی اپنی فوجوں کو واپس لے جائیں جن پر اس وقت تک دونوں ملکوں کا کروڑوں روپیہ بیکار صرف ہو رہا ہے۔

احمدی جماعت کا قریب تر مطالعہ لکھنؤ سے چلتے وقت ایک ذہنی یا جذباتی پروگرام میں نے یہ بھی بنایا تھا کہ اس سفر کے دوران میں اگر قادیان نہیں تو ربوہ ضرور دیکھوں گا جو سنا ہے کسی وقت وادیٔ غیر ذی زرع تھا، اور اب احمدی مجاہدین نے اسے ایک متمدن شہر بنا دیا ہے۔ قادیان کا سوال اس لئے سامنے نہ تھا کہ پورا خاندان میرے ساتھ تھا اور ربوہ تو خیر میں کراچی سے تنہا بھی جا سکتا تھا، لیکن افسوس ہے کہ میرا یہ ارادہ پورا نہ ہو سکا۔ اس کا ایک سبب تو یہ تھا کہ میرے ویزا میں ربوہ درج نہ تھا، دوسرے یہ کہ میری صحت اس کی متقاضی نہ تھی کہ موسم گرما میں سفر ریگستان کی جرأت کر سکوں۔ لیکن میری اس پست ہمتی کی تلافی کسی نہ کسی حد تک اس طرح ہو گئی کہ بعض مخلصین سے امرتسر اسٹیشن پر تبادلۂ نگاہ ہو گیا، بعض سے لاہور میں یاد اللہ ہو گئی اور جب کراچی پہونچا تو ایک سے زاید بار مجھے ان کو زیادہ قریب سے دیکھنے اور سمجھنے کا موقع مل گیا۔

سب سے پہلی چیز جسے میں نے بین طور پر محسوس کیا ان کی متانت و سنجیدگی تھی، آن کے ہنستے ہوئے چہرے، ان کی بشاشت قیافے، اور ان کی "بوئے خوشدلی" تھی۔ دوسری بات جس نے مجھے بہت زیادہ متاثر کیا یہ تھی کہ انھوں نے دوران گفتگو میں مجھ سے کوئی تبلیغی گفتگو نہیں کی، کبھی کوئی ذکر تعلیم احمدیت کا نہیں چھیڑا، جو یقیناً مجھے پسند نہ آتا۔ میرا مقصود صرف خاموش نفسیاتی مطالعہ کرنا تھا اور یہ ان کی انتہائی ادا شناسی تھی کہ دونوں عمرانوں میں انھوں نے مجھے اس مطالعہ کا پورا موقع دیا اور کوئی [illegible] معاملہ

نگاہ سے ہٹ کر زبان تک پہونچا اور میرا زاویۂ نظر بدل جاتا۔

اس کا علم تو مجھے تھا کہ احمدی جماعت بڑی باعمل جماعت ہے، لیکن یہ علم زیادہ تر سماعی و کتابی تھا اور میں کبھی اس کا تصور بھی نہ کر سکتا تھا کہ ان کی زندگی کی بنیاد ہی سعی و عمل پر قایم ہے اور جد و جہد ان کا قومی شعار بن گیا ہے۔

اس سے ہر شخص واقف [illegible] جماعت ہے اور ایک خاص مقصد کو [illegible] رکھ کر آگے بڑھتی ہے اور ایسے ناقابل شکست عزم و حوصلہ کے ساتھ [illegible] ان کی مثال قرون اولیٰ کے بعد کہیں نہیں ملتی۔

میں حیران رہ گیا یہ معلوم کر کے کہ ان کے دو شفا خانے جو انھوں نے یہیں کراچی کی دو غریب آبادیوں میں قایم کئے ہیں، محض انکے چند نوجوان افراد کی کوشش کا نتیجہ ہیں، جنھوں نے خود اپنے ہاتھوں سے اس کی بنیاد کھودی، ان کی دیواریں اٹھائیں، ان کی چھتیں استوار کیں، ان کا فرنیچر طیار کیا اور اب صورتِ حال یہ ہے کہ ان شفا خانوں سے روزانہ سیکڑوں غربا کو نہ صرف دوائیں بلکہ طبی غذائیں بھی مفت تقسیم کی جاتی ہیں اور عوام کی ذہنی تربیت کے لئے ریڈنگ روم اور کتب خانے بھی قایم ہیں۔

دلِ شکستہ دراں کوچہ می کنند درست
چنانکہ خود نشناسی کہ از کجا بشکست

کراچی اور لاہور میں اس جماعت کے افراد پانچ پانچ ہزار سے زیادہ نہیں، لیکن اپنی "گرانمایگی مستقبل" کے لحاظ سے وہ ایک "بنیان مرصوص" ہیں، ناقابل تزلزل، ایک حصار آہنیں ہیں ناقابل تسخیر! اور کھلی ہوئی نشانیاں ہیں اس "اسوۂ حسنہ" کی جس کا ذکر محراب و منبر پر تو اکثر سنا جاتا ہے لیکن دیکھا کہیں نہیں جاتا۔

پھر سوال یہ ہے کہ ایسا کیوں ہے، وہ کیا بات ہے جس نے انھیں یہ سوجھ بوجھ عطا کی؟ — اس کا جواب ابھری ہوئی جماعتوں کی تاریخ میں ہم کو صرف ایک ہی ملتا ہے — اور — وہ ہے عظمت کردار! بلندی اخلاق!

اس وقت مسلمانوں میں ان کو کافر [illegible] کہنے والے تو بہت ہیں، لیکن مجھے تو آج ان مدعیان اسلام کی جماعتوں میں کوئی جماعت ایسی نظر نہیں آتی جو اپنی پاکیزہ معاشرت، اپنے اسلامی رکھ رکھاؤ، اپنی تاب مقاومت اور خوئے صبر و استقامت میں احمدیوں کے خاکِ پا کو بھی پہونچتی ہو!

ایں آتشِ نیرنگ نہ سوزد ہمہ کس را

یہ امر مخفی نہیں کہ تحریک احمدیت کی تاریخ سنہ ۱۸۸۹ء سے شروع ہوتی ہے جس کو کم و بیش ستر سال سے زیادہ زمانہ نہیں گزرا۔ لیکن اسی قلیل مدت میں اسنے اتنی وسعت اختیار کر لی کہ آج لاکھوں نفوس اس سے وابستہ نظر آتے ہیں اور دنیا کا کوئی دور دراز گوشہ ایسا نہیں جہاں یہ مردانِ خدا، اسلام کی صحیح تعلیم انسانیت پرستی کی نشر و اشاعت میں مصروف نہ ہوں۔

آپ کو یہ سن کر حیرت ہوگی کہ جب بانی احمدیت کی رحلت کے بعد سنہ ۱۹۳۴ء میں موجودہ امیر جماعت نے تحریک جدید کا آغاز کیا تو اس کا بجٹ صرف ۲۰ ہزار کا تھا، لیکن ۲۵ سال کے بعد وہ بیس لاکھ ۸۰ ہزار تک پہونچ گیا جو انتہائی احتیاط و نظم کے ساتھ تعلیمات اسلامی پر صرف ہو رہا ہے اور جب قادیان و ربوہ میں صدائے اللہ اکبر بلند ہوتی ہے تو ٹھیک اسی وقت یورپ، افریقہ و ایشیا کے ان بعید تاریک گوشوں کی مسجدوں سے بھی یہی آواز بلند ہوتی ہے، جہاں سیکڑوں غریب الدیار احمدی خدا کی راہ میں دلیرانہ آگے قدم بڑھائے ہوئے چلے جا رہے ہیں۔

باور کیجئے جب میں یہ دیکھتا ہوں کہ باوجود ان عظیم خدمات کے بھی، اس بے ہمہ و باہمہ جماعت کو برا کہا جاتا ہے تو مجھے سخت تکلیف ہوتی ہے اور مسلمانوں کی اس بے بصری پر حیرت ہوتی ہے۔

مبیں حقیر گدایانِ عشق را کایں قوم　　شہانِ بے کمر و خسروانِ بے کلہ اند

جب سے میں نے طریق احمدیت پر اظہار خیال شروع کیا ہے، عجیب و غریب سوالات مجھ سے کئے جا رہے ہیں۔ بعض حضرات اس جماعت کے معتقدات کے بارے میں استفسار فرماتے ہیں، بعض براہِ راست بانی احمدیت کے دعوائے مہدویت و نبوت کے متعلق سوال کرتے ہیں، کچھ ایسے بھی ہیں جو ان کے اخلاق کو داغدار ظاہر کرکے مجھے ان کی طرف سے متنفر کرنا چاہتے ہیں اور بعض تو صاف صاف مجھ سے یہی پوچھ بیٹھتے ہیں "کیا میں احمدی ہو گیا ہوں"۔ میں یہ سب سنتا ہوں اور خاموش ہو جاتا ہوں۔ کیونکہ وہ یہ تمام سوالات اسلئے کرتے ہیں کہ وہ مجھے بھی اپنا ہی جیسا مسلمان سمجھتے ہیں اور اس حقیقت سے بے خبر ہیں کہ :-

ہم کعبہ و ہم بتکدہ سنگ رہِ ما بود
رفتیم و صنم بر سرِ محراب شکستیم

مذہب و اخلاق دراصل ایک ہی چیز ہے اور میں سمجھتا ہوں کہ احمدی جماعت کی بنیاد اسی احساس پر قایم ہے اور اسی لئے وہ مذہبی عصبیت سے کوسوں دور ہیں، وہ تمام اخلاقی مذاہب کا احترام کرتے ہیں اور جس حد تک خدمتِ خلق کا تعلق ہے، رنگ و نسل اور مسلک و ملت کا امتیاز اُن کے یہاں کوئی چیز نہیں، وہ ہمیشہ سادہ غذا استعمال کرتے ہیں، سادے کپڑے پہنتے ہیں، سگریٹ و مے نوشی وغیرہ کی مذموم عادتوں سے مبرّا ہیں، نہ تھیٹر و سینما سے انھیں کوئی واسطہ، نہ کسی اور لہو و لعب سے دلچسپی، انھوں نے اپنی زندگی کی ایک شاہراہ قایم کرلی ہے اور اسی پر نہایت متانت و سلامت روی کے ساتھ چلے جا رہے ہیں ۔ یہی حال ان کی عورتوں کا ہے اور اسی فضا میں ان کے بچے پرورش پا رہے ہیں ۔ مجھے مطلق اس سے بحث نہیں کہ ان کے معتقدات کیا ہیں۔ میں تو صرف انسان کی حیثیت سے ان کا مطالعہ کرتا ہوں اور ایک معیاری انسان کی حیثیت سے ان کا احترام میرے دل میں ہے۔

اس وقت تک بانی احمدیت کا مطالعہ جو کچھ میں نے کیا ہے ۔ اور میں کیا جو کوئی خلوص و صداقت کے ساتھ ان کے حالات و کردار کا مطالعہ کرے گا، اسے تسلیم کرنا پڑے گا کہ وہ صحیح معنی میں عاشقِ رسول تھے، اور اسلام کا بڑا مخلصانہ درد اپنے دل میں رکھتے تھے انھوں نے جو کچھ کہا یا کیا وہ نتیجہ تھا محض ان کے بے اختیارانہ جذبۂ خلوص اور داعیاتِ حق و صداقت کا۔ اس لئے سوال ان کی نیت کا باقی نہیں رہتا البتہ گفتگو اس میں ہوسکتی ہے کہ انھوں نے کن معتقدات کی طرف لوگوں کو دعوت دی، سو اس پر روایتاً و درایتاً دونوں طرح غور و تامل ہوسکتا ہے، لیکن بے سود، کیونکہ اس کا تعلق صرف ان کے ایمان و عواطف سے ہوگا، نہ کہ عمل و کردار سے اور اصل چیز عمل و کردار ہی ہے۔

اب رہا سوال میرے احمدی ہونے یا نہ ہونے کا، سو اس کے متعلق میں اس کے سوا اور کیا کہہ سکتا ہوں کہ سرے سے میرا مسلمان ہونا ہی مشکوک ہے ——————— چہ جائیکہ احمدی ہونا کہ یہاں تو اصل چیز صرف عمل ہے اور اس حیثیت سے میں اپنے آپ کو اور زیادہ نااہل پاتا ہوں برہمن می شدم گر ایں قدر زنار می بستم

اس لئے مناسب یہی ہے کہ مجھ سے اس قسم کا کوئی ذاتی سوال نہ کیا جائے نہ اس لحاظ سے کہ یہ بالکل بے نتیجہ سی بات ہے بلکہ اس خیال سے بھی کہ

دریغا آبروئے دیر گر غالب مسلماں شد

اس سلسلہ میں مجھے ایک بات اور عرض کرنا ہے، وہ یہ کہ آج بالکل یقیناً وہ وقت نہیں آیا کہ جب میں احمدی جماعت کے مذہبی لٹریچر پر ناقدانہ تبصرہ کروں گا، کیونکہ بغیر سمجھے ہوئے کسی بات کو مان لینا میرے فطری رجحان کے خلاف ہے اور احمدی جماعت کے معتقدات میں کچھ باتیں مجھے ایسی بھی نظر آتی ہیں جو اب تک میری سمجھ میں نہیں آئیں، لیکن اس کا تعلق صرف میرے ذاتی و انفرادی رد و قبول سے ہوگا نہ کہ احمدی جماعت کے وجودِ اجتماعی سے جس کی افادیت سے انکار کرنا گویا دن کو رات کہنا ہے اور دن کو رات میں نے کبھی نہیں کہا۔

---

۳۹ واں سال	فہرست مضامین دسمبر ۶۰ء	شمارہ ۱۲

ملاحظات

پھڑوں کا چھتہ اور ٹائم بم یہ ہیں وہ دو اصطلاحیں جو مسئلہ کشمیر کے متعلق پنڈت نہرو اور جنرل ایوب خاں نے حال ہی میں استعمال کی ہیں ۔ مفہوم و مدعا دونوں کا ظاہر ہے، لیکن چونکہ ان فقروں کا استعمال اُس گفتگو کے بعد ہوا ہے جو پچھلے دنوں بہت خوشگوار و امید افزا فضا میں ہوئی تھی اس لئے لوگوں نے ان الفاظ کو تعجب کے ساتھ سُنا اور افسوس کے ساتھ بھی ۔

پنڈت نہرو غالباً یہ کہنا چاہتے تھے کہ پاکستانی نقطۂ نظر سے اب مسئلۂ کشمیر پر گفتگو کرنا ایسی گتھیوں کو سلجھانا ہے جو سلجھانے کی کوشش میں اور زیادہ اُلجھ جائیں گی اور اس صورت میں زیادہ مناسب یہی ہے کہ انھیں ان کے حال پر چھوڑ دیا جائے ۔ برخلاف اسکے جنرل ایوب خاں کا خیال یہ ہے کہ اس کشمکش کا اِدھر یا اُدھر جلد فیصلہ ہوجانا ضروری ہے کیونکہ یہ ایک ایسا بم ہے کہ اگر اسے راستہ سے ہٹایا نہ گیا تو کسی وقت اس کا پھٹ جانا یقینی ہے ۔

دونوں باتیں بالکل ایک دوسرے سے متضاد ہیں، یعنی ایک یہ کہتا ہے کہ مصالحت و مفاہمت کی صورت صرف یہ ہے کہ کشمیر کی موجودہ حد بندی و تقسیم کو بحال رکھا جائے اور دوسرا یہ کہتا ہے کہ ایسا ہونا ممکن نہیں اور ضرورت ہے کہ از سرِ نو اسکے تامۂ پود کا جایزہ

باب المراسلہ والمناظرہ

میں اور احمدی جماعت

(نیاز فتحپوری)

جب سے میں نے احمدی جماعت کے متعلق اظہارِ خیال شروع کیا ہے، اسی وقت سے مجھے یقین ہے کہ دُنیا کو سب سے پہلے یہی جستجو ہوئی کہ وہ شخص جو اپنے عقاید کے لحاظ سے دہریہ یا ملحد قسم کا انسان ہے، کیوں احمدی جماعت کی موافقت کر رہا ہے اور میرزا غلام احمد صاحب کا کیوں اس قدر معترف ہے اور اسی کے ساتھ میں یہ بھی جانتا تھا کہ اس جستجو میں کتنی بدگمانیاں شامل ہوں گی، چنانچہ اس دوران میں جو خطوط ہندوستان و پاکستان کے مختلف گوشوں سے موصول ہوئے ہیں، ان سے میرے اس خیال کی تصدیق ہوتی ہے۔

نمونہ کے طور پر ایک خط ملاحظہ ہو۔ یہ خط جہلم کے ایک صاحب شیخ عبداللہ کا ہے۔ لکھتے ہیں:۔

"اخبار والے ہمیشہ اس تاک میں رہتے ہیں کہ کوئی ایسا مضمون ہاتھ آجائے کہ خریداروں میں زبردست اضافہ ہو جائے اس لئے آپ کی موجودہ قلابازی پر کوئی تعجب نہیں۔ پہلے بعض لوگوں کا خیال تھا کہ آپ دہریہ ہیں، اب یہ خیال ہے کہ آپ مرزائی قادیانی ہوگئے ہیں یا ان سے کوئی رشوتِ عظیم کھائی ہے۔ لہذا آپ کی باتیں کوئی وزن نہیں رکھتیں جب تک آیات قرآنی یا احادیث اس کی تائید میں نہ ہوں۔ آیندہ اگر نگار میں قادیانی مذہب کی حمایت کا ارادہ ہو تو قرآن وحدیث سے لیس ہوکر میدان میں آئیں۔"

اس سلسلہ میں تین الزام مجھ پر عاید کئے جاتے ہیں، ایک یہ کہ اس سے میرا مقصود صرف نگار کی توسیع اشاعت ہے ——

دوسرے یہ کہ میں احمدی ہوگیا ہوں، لیکن بدنامی کے اندیشہ سے اسے کھل کر ظاہر نہیں کرتا ——

تیسرے یہ کہ تبلیغ احمدیت کے لئے مجھے احمدی جماعت کی طرف سے (انھیں کے الفاظ میں) "کوئی رشوتِ عظیم" ملی ہے۔

ان میں کوئی خیال ایسا نہیں جو انوکھا ہو، کیونکہ دُنیائے صحافت و تبلیغ میں ایسی متعدد مثالیں مل جائیں گی کہ محض ذاتی اغراض کی بنا پر لوگوں نے اپنا Creed بدل دیا، اپنا مذہب بدل دیا، اپنی وطنیت و قومیت بدل دی۔ لیکن جس حد تک نگار اور میری ذات کا تعلق ہے اس سے زیادہ میں کچھ نہیں کہنا چاہتا کہ:۔

گفتہ بودی ہمہ زرق اند و فریب اند و فسوس
سعدی آں نیست ولیکن چو تو فرمائی ہست

ساری دُنیا کو معلوم ہے کہ "نگار" کا ایک خاص حلقہ ہے، ان حضرات کا جو ادب، سیاست و مذہب ہر چیز میں آزادی فکر و خیال کے حامی ہیں اسی لئے اُس وقت بھی جب پورے ہندوستان میں میرے اور نگار کے خلاف الزام دہریت و الحاد کا طوفان برپا تھا، نگار کی اشاعت پر کوئی اثر نہیں پڑا، اور ایک اچھی خاصی جماعت میری ہمنوا ہوگئی۔

اس لئے ظاہر ہے کہ اس صورت میں حمایت احمدیت میں میرا کچھ لکھنا، نگار کے لئے باعث نقصان ہی ہوسکتا تھا نہ کہ نفع بخش کیونکہ اس طرح لوگوں لوگوں کو یہ خیال پیدا ہوسکتا تھا کہ میں مذہب کے باب میں رجعت پسند ہوگیا ہوں اور وہ نگار سے دست کش ہوجاتے۔ بنابراں یہ قیاس کرنا کہ یہ سب کچھ میں توسیع اشاعت نگار کے لئے کر رہا ہوں، کسی طرح درست نہیں ہوسکتا۔ اب رہا یہ پہلو کہ اس سے مقصود یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اس طرح احمدی جماعت میں نگار کے زیادہ خریدار پیدا ہوجائیں گے سو یہ بھی نہایت کمزور پہلو ہے کیونکہ اول تو احمدی جماعت کو اس کی چنداں ضرورت ہی نہیں کہ میں یا کوئی اور ان کا پروپاگنڈا کرے دوسرے یہ کہ احمدی جماعت مشکل ہی سے باور کرسکتی ہے کہ میں کسی وقت احمدی ہوسکتا ہوں، کیونکہ جس حد تک عقاید کا تعلق ہے میرے ان کے درمیان کافی اختلاف ہے۔ رہی تیسری بات "رشوت عظیم" کی سو اس سلسلہ میں سب سے پہلے یہی سوال پیدا ہوتا ہے کہ انھیں رشوت دینے کی ضرورت کیا ہے، جبکہ ان کے سارے کام بغیر رشوت ہی کے اچھی طرح چل رہے ہیں، دوسرے یہ کہ حقیقت کے لحاظ سے بھی یہ الزام بالکل غلط ہے اور میرا یہ کہنا غلط نہیں ہوسکتا کیونکہ بصورت دیگر کم از کم احمدی جماعت تو یقیناً سمجھ جاتی کہ میں کس قدر جھوٹا و لغو انسان ہوں کہ باوجود رشوت لینے کے بیں اس سے انکار کر رہا ہوں اور میں ان کی نگاہ میں اپنے آپ کو ذلیل کرنا پسند نہ کرتا۔

بہرحال اس قسم کی بدگمانیوں کی پروا کئے بغیر میں یک بار پھر نہایت صداقت کے ساتھ یہ ظاہر کر دینا چاہتا ہوں کہ میں تو ان کی عملی زندگی کا یقیناً مداح ہوں اور اگر میں بانی احمدیت کی تعریف کرتا ہوں تو اسی لئے کہ وہ مسلمانوں کو صحیح راستہ پر کھینچ لائے اور احساس اجتماعی کا وہ زبردست ولولہ اپنی جماعت میں پیدا کر گئے جس کی نظیر مسلمانوں کی کسی دوسری جماعت میں نہیں ملتی۔

رہا یہ مطالبہ کہ "میں قرآن و حدیث کی روشنی میں اس جماعت کے معتقدات پر گفتگو کروں"۔ سو اس مطالبہ پر مجھے سخت حیرت ہے کیونکہ جب تک پہلے یہ نہ ثابت کر دیا جائے کہ احمدی جماعت قرآن و حدیث کی تعلیمات سے منحرف ہے اس وقت تک قرآن و حدیث سے استدلال کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ بلکہ میں تو علی الرغم اس الزام کے یہ دیکھتا ہوں کہ قرآن و حدیث کی تعلیمات پر عمل کرنے کا جو جذبہ ان میں پایا جاتا ہے وہ دوسری مسلم جماعتوں میں نظر ہی نہیں آتا۔

سب سے بڑا الزام جو اُن پر قایم کیا جاتا ہے یہ ہے کہ وہ ختم نبوت کے قایل نہیں، حالانکہ اس سے زیادہ لغو و غلط بات کوئی اور ہو ہی نہیں سکتی۔ میرزا غلام احمد صاحب نہ صرف یہ کہ رسول اللہ کو خاتم النبیین سمجھتے تھے بلکہ شریعت رسول کو بھی آخری شریعت تسلیم کرتے تھے۔ حیرت ہے کہ لوگوں کو ان کی طرف سے کیوں یہ غلط خیال قایم ہوگیا اور ان کی تصنیفات کا مطالعہ کئے بغیر محض دوسروں کے کہنے پر کیوں یقین کر لیا گیا۔

اس سلسلہ میں ایک بات ضرور بحث طلب ہے کہ مہدی موعود یا مثیل مسیح ہونے کے سلسلہ میں انھوں نے جو کچھ کہا ہے وہ کس حد تک قابل قبول ہے۔ سو میں اس کو زیادہ اہمیت نہیں دیتا، کیونکہ اگر میں ان روایات کو درست نہ سمجھوں جو مہدی موعود اور ظہور دجال وغیرہ کے متعلق بیان کی جاتی ہیں۔ تو بھی یہ حقیقت بدستور اپنی جگہ قایم رہتی ہے کہ میرزا صاحب نے اسلام کی بڑی گرانقدر خدمات انجام دی ہیں اور اصل چیز یہی ہے۔

جس حد تک عقاید کا تعلق ہے عامۃ المسلمین اور ان کے درمیان کوئی اختلاف نہیں۔ دونوں خدا کی وحدانیت کے قایل ہیں، دونوں رسول اللہ کو خاتم النبیین سمجھتے ہیں، دونوں قرآن کو خدا کا کلام جانتے ہیں، دونوں استناد بالحدیث پر عامل ہیں، دونوں بقاء روح، حیات بعد الموت، حشر و نشر، جزا و سزا، بہشت و دوزخ اور معجزہ وغیرہ کے قایل ہیں۔

اس لئے عام مسلمانوں کو تو ان کے خلاف کچھ کہنے کا موقع ہی نہیں۔ رہی یہ بات کہ آپ کیوں یہ مان لیں کہ میرزا صاحب مجدد تھے،

مہدیِ موعود تھے، مثیل مسیح تھے وغیرہ وغیرہ، سو اول تو مذہب سے اس کا کوئی تعلق نہیں اور اگر ہو بھی تو انکار کے لئے آپکے پاس کوئی معقول وجہ موجود نہیں، سوا اس کے کہ آپ یہ کہیں کہ: " ایسا یقین کرنے کو ہمارا جی نہیں چاہتا" برخلاف اس کے وہ اپنے دعوے کے ثبوت میں متعدد روایات ایسی پیش کرتے ہیں جن کی صحت سے آپ کو بھی انکار نہیں۔ اور پھر اس کو بھی جانے دیجئے، خود میرزا صاحب کی زندگی اور ان کا کردار بجائے خود ان کے دعوے کا بڑا زبردست ثبوت ہے۔ مشکل تو میرے لئے ہے کہ میرے نزدیک خدا، رسول، قرآن، معجزہ، روح، معاد، وحی والہام وغیرہ تمام مسایل کا مفہوم کچھ اور ہے جو یقیناً احمدی وغیر احمدی دونوں جماعتوں سے بالکل علحدہ ہے۔ لیکن آپ باوجود اس کے کہ میرزا صاحب کو بُرا کہنے کی کوئی دلیل اپنے پاس نہیں رکھتے، آن کے مخالف ہیں اور میں کہ ان کے بہت سے معتقدات کا اصولاً قایل نہیں، ان سے محبت کرتا ہوں، ان کی بڑی عظمت اپنے دل میں پاتا ہوں، میں ان کو بہت بڑا انسان سمجھتا ہوں۔ ایسا کیوں ہے؟ غالباً اس لئے کہ آپ حقیقت کو ڈھونڈھتے ہیں کتابوں میں، میں اس کی جستجو کرتا ہوں دلوں میں اور میرزا غلام احمد صاحب کے دل میں، میں نے اسی حقیقت کو جلوہ گر پایا۔

مجھے روایات میں نہ اُلجھائیے، ورنہ پھر میں وہی عقل ہرزہ کار کی باتیں شروع کردوں گا، جو ۱۴ سال کی کوشش کے بعد بھی نہ مجھے انسان بنا سکیں نہ کسی اور کو، حالانکہ میرزا صاحب نے اپنی بہت سی سمجھ میں نہ آنے والی باتوں ہی سے نہ جانے کتنے حیوانوں کو انسان بنا دیا۔ " دلستان ما بین النخل والنمر"

---

(۲)

موضوعی اور معروضی

(اصطلاحات فلسفہ کی حیثیت سے)

میرے ایک عزیز دوست نے حال ہی میں، اپنی ایک تازہ تصنیف (جو ابھی تک شایع نہیں ہوئی ہے) مجھے بھیجی اور اسی کے ساتھ یہ خواہش بھی ظاہر کی کہ اگر اس میں کوئی غلطی ہو تو اسے دور کردوں۔ خیر یہ تو ان کی محبت تھی کہ انھوں نے ایسا فرمایا، ورنہ یہ کتاب اپنی جگہ اتنی بلند تصنیف ہے کہ اس میں چون وچرا کی گنجایش ہی نہیں۔ لیکن اس میں مجھے ایک لفظ ایسا ضرور نظر آیا جو میرے لئے نیا تو نہ تھا (کیونکہ عہد حاضر کے اکثر اخبارات اور نقادوں کی تحریروں میں بارہا میری نظر سے گزر چکا تھا) لیکن باوجود اس کے کہ میں اسے غلط سمجھتا ہوں میں نے [illegible] توجہ نہیں کی۔

ہوسکتا تھا کہ میں اب بھی اس سے بے خبرانہ گزر جاتا، لیکن چونکہ یہ تصنیف میرے ایک ایسے عزیز دوست کی ہے جن سے مجھے بہت محبت ہے، اس لئے میرے ضمیر نے گوارا نہ کیا کہ میں اس غلطی کی طرف ان کو متوجہ نہ کروں۔ چنانچہ میں نے ان سے پوچھ ہی لیا کہ اس لفظ کا استعمال انھوں نے کس مفہوم میں کیا ہے۔

انھوں نے جو جواب دیا وہ ان کے خط سے پیش کرتا ہوں، اس سے آپ [illegible] لفظ کبھی سُن لیں — یہ لفظ معروضی ہے جو آج کل اُردو میں فلسفہ کی اصطلاح " objective " کی جگہ استعمال کیا جاتا ہے اور جس کی تصدیق خود انھوں نے بھی اپنے خط میں کی ہے — لکھتے ہیں:-

" فلسفہ کی دو اصطلاحیں ہیں۔ Subject اور Object اردو میں ان کے لئے موضوع اور